www.shibliinternational.com

اکتوبر October 2020

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

20/- روپے

Issue:32 شمارہ۔ Vol:3 جلد

Oct :2020 اکتوبر

ماہنامہ

حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابو ہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی
پروفیسر مظفر علی شہہ میری، پروفیسر محسن عثمانی ندوی
پروفیسر ابوالکلام پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی،
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مولانا ارشاد الحق مدنی،
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی، اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ
محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال
ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام
حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ
ڈاکٹر محمد زبیر، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، ڈاکٹر محمد فضیل ندوی،
ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابو ہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20
سالانہ: 220 - بیرونی ممالک: 50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

MOHD MUHAMID HILAL
A/c: 52023475202 Bank: SBI
Ifsc: SBIN0020413
Micr: 500002311 Branch: Dabeerpura Hyd

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob:9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکرِ شبلی کا مطالعہ (قسط:۲۹)	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	ایمان بالآخرت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۱
۵	عالمی سبزی خوری دن: یکم اکتوبر	مولانا انصار احمد معروفی	۱۳
۶	آزاد ہندستان اور بنیادی انسانی حقوق	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۵
۷	غیور اقطاب احمد کی شعری حسیت	ڈاکٹر ایاز احمد	۱۸
۸	جوش ملیح آبادی: ایک انقلابی شاعر	محمد امجد حسین	۲۳
۹	تامل ناڈو کے عربی مدارس کی اردو خدمات	علیم صبا نویدی	۲۶
۱۰	سرسید کو خراج عقیدت (نظم)	احمد علی برقی اعظمی	۲۹
۱۱	تقدیر میں ہو تو......(ناولٹ، قسط:۴)	سیدہ زہرا جبین	۳۰
۱۲	غزل	ظہور احمد ظہیر آبادی	۳۴
۱۳	آہ حضرت مفتی عبداللہ مظاہری رویدروی	ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۵
۱۴	غزل	محی الدین وارث	۳۶
۱۵	حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری (نظم)	ولی محمد زاہد ہریانوی	۳۷
۱۶	ڈاکٹر مسرت جہاں	مبصرہ: ثنا غزل	۳۹

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی......الحاج **محمد منیرالدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد......الحاج **محمد عبد الستار** سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر)......**علی احمد عبد اللہ** کونچالی، رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سیکھ ولیج سکندرآباد حیدرآباد......**محمد عبدالماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد، حیدرآباد
جناب قاضی **فیض الدین**، اپرتوڑیل، مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چارمینار، حیدرآباد......مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد۔
الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

اپنی بات

ماہِ اکتوبر ۲۰۲۰ء ہمارے قدیم شہر حیدرآباد کے لیے ستمگر ثابت ہوا۔ کیونکہ چند گھنٹے کی موسلا دھار بارش نے ناعاقبت اندیش زمینی کاروباریوں اور حکمرانوں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر ان افرادِ خاندان کے بارے میں غور کریں کہ جن کی نگاہوں کے سامنے پانی میں تیرتی لاشیں اور انتہائی مشقت سے گھر کے لیے جمع کردہ قیمتی سامان چند ساعتوں میں درہم برہم ہوگئے۔ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ ان مشکل گھڑیوں میں اپنی ممکنہ حد تک مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ ہے اور اللہ کے حضور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت تمام متاثرین کو صبر اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

بارش رحمت الٰہی ہوتی ہے۔ قدیم زمانے سے مخلوقِ خدا کے لیے اس کی ذخیرہ اندوزی ہوتی رہی ہے، جس کے لیے تالاب بنایا جاتا ہے اور یہی اس کا مقام ہوتا ہے۔ جب کوئی شئے اپنے مقام سے ہٹ جاتی ہے تو اس کے ذریعہ چھوٹی بڑی تباہی کا وجود ہوتا ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے شہر میں ہوا کہ پانی نے اپنا مقام نہیں پایا تو اس نے کچھ کو غرق، کچھ کو خراب اور بہتوں کو پانی پانی کر دیا۔ خیر تادم تحریر بہت سے دردمند دامے درمے سخنے مدد میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو بہترین بدلہ دے۔ آمین۔ ادارہ اربابِ نظم و نسق سے گذارش کرتا ہے کہ کچھ ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے کہ آئندہ اس طرح کی دوبارہ تباہی کا منظر نہ آئے۔

گاندھی جی کی ۱۵۱ رویں یوم پیدائش کے موقع پر شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے راقم الحروف کی مرتب کردہ کتاب ''گاندھی جی اردو ادباء اور شعراء کی نظر میں'' ڈاکٹر محمد غوث سکریٹری تلنگانہ اردو اکیڈمی کے دستِ مبارک سے رسم اجراء انجام دی گئی اور حاضرین محفل کا یہ احساس رہا کہ موجودہ وقت میں گاندھی جی کے نظریہ کو فروغ دینا ضروری ہے تاکہ ہمارے ملک ہندستان کی خوب صورتی باقی رہے اور ہمارا ملک ترقیات کے منازل طے کر سکے۔

ملک و ملت کے عظیم خدمت گار الحاج نواب کاظم علی خان حالیہ دنوں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ ادارہ آپ کی ملکی، ملی، سماجی، سیاسی، صحافی خدمات پر خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت نواب صاحب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔

ماہِ اکتوبر میں نیٹ NEET کا نتیجہ آیا۔ ادارہ کامیاب ہونے والے تمام طلباء و طالبات کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔ بالخصوص اول پوزیشن حاصل کرنے والے شعیب آفتاب کو کہ جس نے قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ اللہ آفتاب کی حفاظت فرمائے اور اوج ثریا پر فائز کرے۔ آمین۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

جود وسخا:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحب زادیاں اور حضرت فاطمہؓ زہرا خدمت میں اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس وتنگ دستی کی شکایت کرکے عرض کی کہ اب غزوہ میں جو کنیزیں آئیں ہیں، ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں، آپؐ نے فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لاکر پیش کی، آپؐ کو ضرورت تھی، آپؐ نے لے لی، ایک صاحب حاضرِ خدمت تھے، انہوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپؐ نے اتار کر اس کو دے دی، جب اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں نے ان کی ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، انہوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے، مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔

زہد وقناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں، ان سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کس عسرت اور تنگ دستی میں بسر کرتے تھے، ۳ھ کے بعد فتوحات کو جو وسعت حاصل ہوئی ہے، عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھے، ۳ہجری میں یہودانِ بنونضیر میں سے مخیرؔیق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ میثب، صائفہ، دلال، حسنی، برقہ، اعواف، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کر دیئے، آپؐ نے سب کو خیرات کر دیا، یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا، غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا۔

ایک صحابیؓ نے شادی کی، سامانِ ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ شانۂ نبوت میں اس ذخیرے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپؐ نے اس کے نذر کر دیا، یہ تمام رات خانۂ نبویؐ میں فاقہ سے گذری، حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔

مہمان نوازی:

(عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے جوق در جوق لوگ بارگاہِ نبویؐ میں آتے تھے، رملہؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا گھر دار الضیوف تھا، یہیں لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریکؓ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاریہ تھیں، ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا، مخصوص لوگ مسجد نبویؐ میں اتارے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا، آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان مہمانوں کی خاطر داری اور تواضع فرماتے تھے، یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے، بغیر کچھ کھائے پیئے واپس نہ آتے تھے۔

قسط:(۲۹)　　**ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی** 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

موازنہ کے اس محقق ایڈیشن کی اشاعت میں راقم کا بھی کسی قدر حصہ ہے، تحدیث نعمت کے طور پر مولانا کے اقتباس کو نقل کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کو مولانا شبلی سے بڑی عقیدت اور دارالمصنفین سے عشق ہے، ان کا خاص موضوع تحقیق یہی ہے اور وہ اس کے ہر کام میں پیش پیش رہتے ہیں، انھیں جب میری اس پریشانی کا علم ہوا تو انھوں نے بڑی خوشی سے تصحیح ومراجعت کی ذمہ داری قبول کر لی اور بڑی محنت وجانفشانی سے یہ کام انجام دیا اور جہاں تک بن پڑا اشعار کی صحت کے لئے مراجع ومصادر کھنگالے اور کاپیوں اور پروف کی تصحیح بھی دلچسپی سے کی''۔ (موازنہ انیس ودبیر ص ۱۱-۱۲)

مولانا ضیاءالدین اصلاحی مرحوم نے بے سروسامانیوں کے باوجود تصانیف شبلی کے یکے بعد دیگرے محقق ایڈیشن دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع کئے، اس سے ان کی عقیدت شبلی کا اظہار ہوتا ہے، خاص طور پر ان مختصر سے دیباچوں میں انھوں نے جس طرح علامہ شبلی کا والہانہ ذکر کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے، مثلاً الغزالی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''الغزالی حجۃ الاسلام علامہ شبلی نعمانی کی مقبول ومایہ ناز کتاب ہے جو ایک مدت سے ختم ہوگئی تھی اور قدردانوں کی طرف سے اس کے نئے ایڈیشن کے لئے بار بار تقاضا ہو رہا تھا، الحمدللہ کہ اب ان کی یہ آرزو پوری ہو رہی ہے''۔ (الغزالی، دیباچہ ص ا، طبع جدید ۱۹۹۷ء)

سیرۃ النعمان شائع کی تو اس کے دیباچہ میں مختصراً اس کی تمام خصوصیات اور مولانا شبلی کی اولیات کا بھی ذکر کیا اور لکھا کہ:

''علامہ شبلی کو جب ناموران اسلام لکھنے کا خیال پیدا ہوا تو بجا طور پر فقہائے اسلام کے طبقہ میں امام ابو حنیفہؒ پر ان کی نظر پڑی جو فقہ کے بانی اور فقہائے اسلام میں سب سے ممتاز ہیں اس لئے مولانا کو ان سے اور فقہ حنفی سے بڑا ذوق وشوق رہا۔ مولانا نے جس زمانہ میں سیرۃ النعمان کی تالیف کی تھی اس وقت تک امام صاحب پر اردو میں کوئی قابل ذکر کتاب موجود نہیں تھی، عربی میں جو کتابیں تھیں ان میں صرف حالات وسوانح ہی کا حصہ موجود تھا جس کو مولانا نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں مستند مآخذ سے لکھا ہے اور دوسرے حصہ میں ان کے طرز اجتہاد واصول استنباط اور فقہ حنفی کے امتیازات وخصوصیات پر جو بحث کی ہے اس سے قدیم کتابیں خالی ہیں''۔ (دیباچہ طبع جدید)

سوانح مولانا روم بھی انھوں نے بڑے اہتمام سے شائع

کی،اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''سوانح مولانا روم بھی علامہ شبلی کی مشہور و مقبول تصنیف ہے۔مولانا محمد جلال الدین رومی کی عام شہرت ایک صوفی کی ہے اور ان کی مثنوی کو بھی تصوف ہی کی کتاب سمجھا جاتا ہے اور اسی حیثیت سے وہ طبقہ صوفیا میں نہایت مقبول بھی ہے لیکن مثنوی میں مولانائے روم نے اسلام کے عقائد ومسائل اور ان کے حقائق ومعارف کو جس دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے اور جس خوبی سے سمجھایا ہے یہی دراصل علم کلام ہے، چنانچہ علامہ شبلی نے جب سلسلہ کلامیہ کا آغاز کیا اور الغزالی، علم الکلام اور الکلام لکھا تو انھیں مولانا روم کو بھی متکلم اسلام کی حیثیت سے متعارف کرانے کا خیال ہوا اور انھوں نے سوانح مولانا روم لکھا۔

مولانا روم کے حالات وواقعات بہت کم ملتے ہیں اور جس زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی تھی اس زمانے میں تو اور بھی کم کتابیں دستیاب تھیں، اسی لئے اس کتاب میں مولانا کے حالات وسوانح کا حصہ بہت کم ہے۔البتہ مثنوی پر مبسوط تبصرہ کیا گیا ہے جس میں عقائد وکلام کے مباحث، الہیات، معجزہ، روح، معاد، جبر وقدر، تصوف، توحید، عبادت، فلسفہ واخلاق اور سائنس کی جس قدر موثر اور دل نشیں پیرائے میں تشریح وترجمانی کی گئی تھی ان کو علامہ شبلی نے اپنے مخصوص انداز اور دلکش اسلوب میں پیش کرکے دوآتشہ کردیا ہے۔

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

(سوانح مولانا روم، دیباچہ طبع جدید ص ا

علامہ شبلی کا فارسی کلیات سید صاحب نے مرتب کرکے دارالمصنفین سے بغیر دیباچہ کے شائع کیا تھا، ۸۰ برس تک وہ بغیر دیباچے کے شائع ہوتا رہا، مولانا اصلاحی مرحوم نے اسے شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس پر دیباچہ بھی لکھا جس میں علامہ شبلی کی فارسی شاعری اور ان کے شاعرانہ کمالات کا تفصیل سے ذکر کیا، اس کا ہر پیراگراف شبلی سے ان کے گہرے مطالعہ وشغف کا پتہ دیتا ہے، لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی جیسے صاحب فضل وکمال کے لئے شاعری کوئی مایہ فخر چیز نہیں تھی لیکن ان کو اس کا فطری ذوق تھا، قدرت نے انھیں شدید الاحساس بنایا تھا اور ان کی طبیعت میں شاعرانہ لطافت بدرجہ اتم ودیعت کی تھی، اس لئے جب کوئی موثر واقعہ یا منظر ان کے سامنے آتا تو بے اختیار ان کی زبان پر ترانہ موزوں جاری ہوجاتا تھا جو شدت وتاثر کا نتیجہ ہونے کی بنا پر اعلی اور بلند درجہ کی شاعری کا نمونہ ہوتا تھا، اصلی اور جوش واثر سے پر شاعری وہی ہے جس میں آمد اور بے ساختگی ہو اور وہ دامن دل کو کھینچ لینے والی ہو''۔(کلیات شبلی فارسی دیباچہ ص ا)

اس کے بعد انھوں نے تفصیل سے علامہ شبلی کے شاعرانہ کمالات کا تجزیہ پیش کرکے دکھایا ہے کہ وہ بڑے عظیم الشان اور بلند رتبہ شاعر تھے۔علامہ شبلی کی جمالیاتی شاعری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''علامہ کے عشق ومحبت کا تخیل عامیانہ اور سطحی نہیں ہے بلکہ وہ نہایت بلند اور پاکیزہ ہے۔اس کے اسرار وحقائق کی تعلیم کے لئے منبر ومحراب موزوں جگہ نہیں ہے بلکہ دار ورسن کا وہ مقدس مقام ہے جہاں سے شہیدان محبت کی حقیقی زندگی کا آغاز

ہوتا ہے۔(ص۱۲)

اس دیباچہ کی حیثیت دیباچہ سے بڑھ کر ایک مقالہ کی ہوگئی ہے جس میں علامہ شبلی کے فارسی شاعری کے تمام پہلوؤں پر نقد وتبصرہ ہے، یہاں طوالت کے خوف سے ان مباحث کی تفصیل سے گریز کیا جاتا ہے کہ ہمارا مقصد دیباچوں کے ان حصوں کی نشاندہی ہے جن سے شبلی یا اثرات شبلی کی وضاحت ہوتی ہو۔

اس سلسلہ کا مولانا اصلاحی کا ایک اور کارنامہ علامہ کی ایک نایاب کتاب ''اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر'' کی اشاعت ہے۔علامہ شبلی نے مذکورہ عنوان سے جو سلسلہ مضامین لکھا تھا وہ ان کی زندگی ہی میں کتابی صورت میں شائع ہوگیا تھا، سید صاحب نے دار المصنفین سے علامہ شبلی کی ایک ایک تحریر اور تصنیفات شائع کیں مگر اسے مقالات میں نہ شامل کر کے علاحدہ شائع کرنے کا ارادہ تھا، افسوس ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا، اسے پہلی بار مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ۲۰۰۴ء میں دار المصنّفین سے شائع کیا، اس کا دیباچہ مولانا مرحوم کے شبلی پر ان کے گہرے مطالعہ کا نمونہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نے الندوہ اور دوسرے رسالوں میں متعدد بلند پایہ اور محققانہ مضامین لکھے تھے، ان میں الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ اور پیش نظر مضمون ''اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر'' نہایت معرکۃ الآراء اور تلاش وتحقیق، دقیقہ بینی ونکتہ رسی اور مورخانہ زرف نگاہی کا خاص نمونہ ہیں، اس لئے علامہ کی زندگی میں ان کو علاحدہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ (اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر ص۱)

علامہ شبلی کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالم گیر کو متہم ومطعون کرنے لئے تنگ نظر اور متعصب مورخین نے کذب وافترا کا جو طومار باندھا تھا اور اصل واقعات میں رنگ آمیزی اور ان کی غلط تعبیر وتاویل کر کے اورنگ زیب کو جن جرائم کا مرتکب قرار دیا تھا، علامہ کے پر زور قلم نے اس رسالہ میں ہر ایک کی تحلیل وتنقید کر کے دروغ بیانیوں اور افترا پردازیوں کا پردہ چاک کر دیا ہے''۔(ایضاص ۱۔۲)

اس کی ترتیب وتدوین کا کام میرے حصہ میں آیا تھا، یہ مولانا کی شفقت تھی مگر انھوں نے جب دیباچہ لکھا تو ایسا لگا کہ شفقتوں کے پھول برس گئے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ:

''چونکہ یہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی اس لئے بعض کتب فروشوں نے اس کے بہت معمولی، سستے اور گھٹیا قسم کے نسخے شائع کئے جنھیں دیکھ کر ہمیں تو شرمندگی ہوہی رہی تھی علامہ مرحوم کی روح کو بھی اس سے بڑی اذیت پہنچتی رہی ہوگی، اس لئے کتاب کے صحیح اور محقق ایڈیشن کے لئے میری فکر وتشویس اور بڑھ گئی، اتفاقاً ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی سے اس کا ذکر آیا تو محسوس ہوا کہ وہ اس کی تحقیق ومراجعت کے لئے پہلے ہی سے آمادہ تھے، ان کو علامہ شبلی اور دار المصنّفین سے قلبی تعلق ہے، وہ بچپن سے کتب خانہ دار المصنفین سے استفادہ کرتے رہے ہیں، ابھی حال ہی میں علامہ شبلی پر ان سے والہانہ تعلق کی بنا پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے، علامہ شبلی، دار المصنفین اور دوسرے موضوعات پر ان کے علمی مضامین ہند وپاک کے رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد الیاس نے سرکاری ملازمت کی مصروفیت کے باوجود اس کام کو بڑی محنت سے

انجام دیا جس سے اغلاط کی تصحیح ہوگئی اور اصل مراجع
سے مراجعت کر کے انھوں نے حوالوں کی تخریج بھی
کردی اور جہاں ضرورت محسوس کی فارسی عبارتوں
کے ترجمے بھی کردیئے''۔ (ایضاص ۱۲۔۱۳)

اس اقتباس کے نقل کرنے کا مقصد اپنے کارنامے گنوانا نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ جب علامہ شبلی پر کوئی شخص کتاب یا مقالہ لکھتا تھا تو مولانا اصلاحی مرحوم اسی طرح داد وتحسین سے اس کی حوصلہ افزائی کرتے تاکہ چراغ سے چراغ روشن رہے۔

پروفیسر عبدالستار دلوی

پروفیسر عبدالستار دلوی (پ: یکم ستمبر ۱۹۳۷ء) اردو کے ممتاز مصنف، مؤلف اور ادیب ہیں، ان کے قلم سے ایک درجن سے زیادہ کتابیں مختلف موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں، وہ مختلف اداروں کے بانی وموسس بھی ہیں، انھوں نے ہمیشہ زبان وقلم سے اردو کی خدمت انجام دی ہے، اس وقت بھی انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ڈائرکٹر اور اس کے ترجمان سہ ماہی نوائے ادب کے مدیر کی حیثیت سے پیرانہ سالی کے باوجود وابستہ ہیں، خاص طور پر نوائے ادب کو انھوں نے بڑا معیاری بنادیا ہے، اس کے خصوصی شمارے خاص طور پر قابل تحسین ہیں، اسی سلسلہ کی ایک کڑی نوائے ادب کا شبلی نمبر بھی ہے جو شبلی صدی کے موقع پر علامہ شبلی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے شائع کیا گیا ہے، نوائے ادب کے جو اور نمبر شائع ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں یہ شبلی نمبر قابل ذکر نہیں۔ زیادہ تر پرانے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ مدیر موصوف نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

۱۹۰۳ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس اسی انجمن اسلام بمبئی میں بدرالدین طیب جی (۱۸۴۴۔۱۹۰۶ء) کی صدارت میں ہوا تھا جس میں حالی، شبلی اور محسن الملک شریک ہوئے تھے، کانفرنس کے اسی اجلاس میں اس مختلف شعبے قرار دے کر انجمن ترقی اردو کا علامہ شبلی کو سکریٹری نامزد کیا تھا، اس کا ذکر مدیر نے کیا ہے اور بس اسی تعلق سے یہ شبلی نمبر شائع کیا گیا ہے، البتہ علامہ شبلی کا بمبئی سے بڑا گہرا تعلق تھا، تبدیلی آب وہوا کے لئے وہ اکثر بمبئی کا سفر کرتے تھے اور یہاں کے بہت سے اہل علم سے ان کے روابط تھے، اس کی پوری تفصیل اگرچہ دلوی صاحب نے نہیں لکھی ہے، تاہم اس کا اعتراف کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ:

''شبلی کا بمبئی سے ایک جذباتی وفکری اور علمی
رشتہ بھی تھا، ان کی فارسی شاعری جس میں انھوں
نے بادہ حافظ کی دکان کھول دی بمبئی ہی کی دین
ہے، سیرۃ النبیؐ کی بابرکت تصنیف کا بھی بمبئی سے
رشتہ ہے''۔ (نوائے ادب شبلی نمبر، اکتوبر تا مارچ
۲۰۱۵ء ص ۴)

البتہ ان کا یہ خیال کہ شبلی کا انجمن اسلام سے کوئی براہ راست تعلق نہیں رہا، نہ ہی کبھی یہاں تقریر کرنے کا کہیں حوالہ جاتی ثبوت ہے۔'' (ص ۳) درست نہیں ہے۔ براہِ راست تعلق نہ رہا ہو، لیکن انھوں نے ۰۹۔۱۹۰۸ء میں انجمن وقف علی الاولاد کے سلسلہ میں انجمن اسلام کرنے، ڈنر کرنے اور وقف کے موضوع پر مفصل تقریر کرنے کا ذکر خود علامہ شبلی نے کیا ہے۔
(رپورٹ کارروائی انجمن وقف علی الاولاد)

شبلی اور بمبئی کے عنوان سے پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے ایک مقالہ لکھا تھا جو اسماعیل یوسف کالج میگزین میں ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا، وہ اب کہیں دستیاب نہیں ہے ایک اطلاع کے مطابق نجیب اشرف صاحب مرحوم کی صاحبزادی نے مذکورہ مضمون کی کاپی پونہ انسٹی ٹیوٹ میں جمع کی تھی، خدا جانے وہاں محفوظ ہے یا نہیں، بہرحال اس نمبر میں شبلی اور بمبئی پر بھرپور مقالہ ہونا چاہئے تھا۔

مولانا صدرالدین اصلاحی

ایمان بالآخرت

للہ کے بارے میں تو وہ اس بات پر آ کر بالکلیہ راضی ہو گئی کہ وہ یقیناً خالقِ کائنات اور ربِّ اعلیٰ ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک امرِ واقعہ ہے کہ اس کے دربار میں بہت سی ہستیوں کو اقتدار یا ایک طرح کا تقرب حاصل ہے اور اس طرح یہ ہستیاں اس کی خدائی کے کاروبار میں ایک حد تک دخیل ہے، مگر قیامت کے متعلق اس نے اس طرح کی کوئی رواداری نہیں دکھائی اور اس کے لئے ذہنِ انسانی میں کسی امکان کا وہم بھی باقی رہنا اس نے گوارا نہیں کیا۔ اس فرق کی وجہ کا سراغ لگانے والا اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں پاسکتا کہ ....نفسِ انسانی پر شرائع الٰہیہ کی پابندیاں ہمیشہ گراں گزرتی ہیں ،اس لئے وہ ہر آن ان سے راہ فرار اختیار کرنے کی سعی کرتا ہے، لیکن چونکہ دین اور اللہ کا تصور انسانی سرگشت کی رگ و ریشے میں سمویا ہوا ہے، اس لئے اس سے عموماً یہ تو نہ ہوسکا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی عظمت ہی سے انکار کردے، مگر قیامت کے تصوّر کی جڑیں فطرتِ انسانی میں اتنی گہری اور مضبوط نہ تھیں کہ انہیں کسی طرح بھی اکھاڑا نہ جاسکے، اس لئے اس نے اپنے اس کربِ نفس کا علاج انکارِ قیامت کے ٹوٹکے سے تجویز کیا جو دین اور اللہ کا تصوّر اور فطرت کا احساس لازماً پیدا کردیا کرتا ہے، مگر یہ انکار بھی یکبارگی نہیں پیدا ہوجا تا، نہ ہی ہوسکتا ہے، بلکہ یہ ہمیشہ تدریجی مراحل سے گزرتا ہے۔ پہلے تو نفس مصالحت کا خوشنما دامِ فریب بچھاتا ہے، جس کی عملی تصویر اوپر کھینچی جاچکی ہے، پھر اسے مضبوط سے مضبوط تر کرتا رہتا ہے، اس کوشش میں وہ کسی درمیانی منزل پر مشکل ہی سے ٹھہرتا ہے اور خواہ اس میں صدیاں لگ جائیں ،لیکن اطمینان کا سانس اسی وقت لیتا ہے جب اس رکاوٹ کو اپنے راستہ سے بالکل ہی ہٹادے یا اگر کچھ رعایت کرتا بھی ہے تو بس اسی حد تک کہ کوئی غیر اسلامی طرزِ فکر ’’دینِ اسلام‘‘ کو اپنے وجود کے اظہار کی رعایت دے دیا کرتی ہے، لیکن جس ایمان بالآخرت کا رشتہ انسانی زندگی کے رویہ سے یکسر کٹا ہوا ہو اس کو ایمان کہنا ایمان کی توہین نہیں تو اور کیا ہے۔

نفسِ امارہ نے اپنے اس سنّت کا اعادہ امّتِ محمدیہ کے اندر بعینہٖ اسی طریقہ کیا ہے، جس طرح پچھلی امتوں میں کرتی رہی ہے، اللہ کے وجود سے انکار خال خال ہی نظر آتا ہے اور توحید کے اقرار سے بھی قلوب ایک بڑی حد تک معمور ہیں، مگر ایک روز جزا کے آنے کے یقین، محاسبہء اعمال کے اندیشے اور آخرت کی باز پرس کے خوف سے دلوں کی بستیاں اس طرح اجڑ گئیں ہیں، جس طرح کسی زبردست بھونچال کے بعد انسانی آبادیاں اجڑ جایا کرتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ زبان سے قیامت کا انکار کرنے والے مسلمان آپ کو شاید ہی ملیں گے، مگر اس عدم انکار کے پیچھے خوفِ آخرت کے کتنے عمل شواہد آپ کو نظر آتے ہیں، جس کی بناء پر آپ اس ’’اقرار‘‘ پر اظہارِ اطمینان کرسکیں؟ اگر کونو ھودًا او نصٰریٰ تھتدوا کے گمانِ باطل نے چشم بصیرت پر ’’تحزب‘‘ کی پٹی باندھ دی ہے تو آپ کو اعتراف کرنا چاہیئے کہ آج ہم ایمان بالآخرت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود بہت ساری حرکتیں ایسی ہی کررہے ہیں جیسی ایک خوفِ جزا و سزا سے بے پروا انسان کیا کرتا ہے۔ ایک دیدہء بینا، دنیا پرستی ، مصلحت کوشی ،افادیت پسندی اور حدود شریعت سے پائی کے اس خوفناک سیلاب کا کیوں کر انکار کرسکتی ہے جو دلوں پر چھاتا چلا جارہا ہے اور جس کے اندر ایمان بالآخرت ایک تنکے کی طرح بہتا نظر آرہا ہے؟

ایمان بالآخرت کی فکری تطہیر:

ان تنقیحات کے بعد آیئے اب اس مسئلہ کے مثبت اور تعمیری پہلوؤں پر غور کریں:

ان حالات میں اور دنیوی فتنوں سے بھرے ہوئے اور خوف آخرت سے اس نا آشنا ماحول میں، جن بندگانِ الٰہی کو اپنی آخرت کی زندگی یاد آرہی ہو، خصوصا ان میں سے وہ لوگ جن کو دینِ حق سے وابستگی ہو، اس کی اطاعت، اور اس کی اقامت کے احساس فرض نے سعی وعمل کی آزمائش گاہ میں لاکھڑا کیا ہو، ان کے کرنے کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے اردگرد چھائی ہوئی آخرت فراموش نفسیات اور ان کے متعدی اثرات سے وہ پوری طرح چوکنے رہیں، اور یاد رکھیں کہ ماحول کی طاقت ایک زبردست طاقت ہوتی ہے، جس کے اثرات سے بچنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا دریا میں رہتے ہوئے تردامنی سے بچنا۔ یہ ماحول اپنے جراثیم نہ صرف شعوری طور پر ہی بلکہ غیر شعوری طور پر بھی ذہنوں میں داخل کرتا ہے، اس لیے سب سے پہلے تو انہیں اپنے قلب ودماغ کے مکمل جائزہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور جس طرح کسی حکومت کی پولیس دشمن کے جاسوس کی جامہ تلاشی لیتی ہے اور اس کے ایک ایک تار کو ادھیڑ کر دیکھتی ہے کہ کہیں کسی گوشہ میں حکومت کے خلاف کوئی راز تو نہیں موجود ہے۔ بعینہ اسی طرح پوری دیدہ ریزی اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ انہیں اپنے قلب ودماغ کے عمیق ترین گوشوں تک پہنچنا چاہئے اور پہنچ کر دیکھنا چاہئے کہ اس مملکتِ ایمان میں کہیں نفس اور شیطان کے جاسوس چھپے ہوئے اپنی کارستانیاں تو نہیں کر رہے ہیں؟ یعنی معاملات زندگی کے اندر اپنے عمل واقدام کا رویہ معین کرنے میں اور خیر وشر کے دوراہے پر کسی ایک راہ کا انتخاب کرنے میں ان کا دل فکر وخوف آخرت سے خالی تو نہیں رہتا؟ سَیُغْفَرُ لَنَا اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ کی جھوٹی امیدیں کہیں انہیں دنیا پرست پر تو نہیں اکساتیں؟ نفس نے دنیا اور آخرت کے درمیان کچھ اس طرح کی مصالحت تو نہیں کرا رکھی ہے، جس طرح کی مصالحتیں اس نے پچھلی قوموں کے لیے بار ہا کرائیں ہیں؟ اور پھر یہ کہ وہ جو اقامتِ دین کا نام لے رہے ہیں، اس کی تہہ میں کہیں مسلم قومیت کا جذبہ تو نہیں کام کر رہا ہے؟ کوئی شوقِ انجمن سازی، کوئی آرزوئے ناموری، کوئی ہوس روشناسی، کوئی فریبِ اقتدار طلبی اس نعرہ کا محرک تو نہیں؟ اسی طرح وہ کہیں اس مقدس فرضِ عین کو محض اس بنیاد پر تو بجالانے نہیں چلے ہیں کہ موجودہ عالمگیر معاشی کشاکش اور عمرانی اضطراب اور سیاسی اختلال کے ہنگاموں میں اسلام کا نظام سیاست ومعیشت ان کو ان ساری گتھیوں کا ایک موزوں حل نظر آرہا ہے؟ اس لیے کہ اس طرح کے محرکات کا رشتہ بھی کچھ گہرائی میں پہنچ کر اسی اصل ومرکز سے جاملتا ہے، جس کو دنیا پرستی کہا جاتا ہے اور ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ دنیا پرستی یعنی دنیوی اغراض ومفاد کی بندگی اور ایمان بالآخرت میں واضح تضاد ہے اور یہ معلوم ہے کہ اقامتِ دین کی راہ دشوار پر اس وقت تک ایک قدم بھی نہیں بڑھا جاسکتا جبکہ دل دنیا پرستی کے ان مختلف اشکار ومظاہر سے پاک اور آخرت کی حقیقی جواب دہی کے اندیشوں سے معمور نہ ہو، ورنہ ان تمام اغراض سفلی کو یا ان میں سے کسی ایک غرض کو دل میں چھپا کر اقامتِ دین کی مہم سر کرنے کا خیال باندھنا نہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دینا اور اپنی قوتیں ضائع کرنا ہے بلکہ اللہ کے دین کو تماشہ اور اس کو اپنا آلۂ کار بنانا بھی ہے، جو اللہ اس سے کم مبغوض نہیں جتنا اس فرض اعلانیہ ترک مبغوض ہے۔ پس ضرورت ہے کہ اس فرض کو ادا کرنے کی مہم شروع کرنے سے پہلے اپنے قلب ونظر کو اس نوع کے جذبات ومحرکات سے پاک کر لیا جائے اور آخرت کی باز پرس کے سوا کوئی محرک باقی نہ رہنے دیا جائے۔ اس ضرورت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سعی وجہد مقبول نہیں ہوگی بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے بغیر ہم کو وہ طاقت، وہ عزیمت، وہ صبر، وہ اطمینان، وہ استقلال، وہ بے خوفی، حصولِ مقصد کی وہ تڑپ، سعی واقدام میں وہ سرفروشی اور مال کار سے وہ بے پروائی میسر نہیں ہوسکتی، جو اس راہ کا تنہا توشہ اور اس کارزار کا واحد حربہ ہے۔

مولانا انصار احمد معروفی۔ پورہ معروف ضلع مئو

عالمی سبزی خوری دن: یکم اکتوبر

دنیا میں سبزی خوری کو فروغ دینے کے لیے یہ دن ہر سال یکم اکتوبر کو منایا جاتا ہے، اس دن کے منانے کا مقصد دنیا بھر میں سبزی خوری کو فروغ دینا ہے، سبزی خوری کے ذریعے صحت مند معاشرے کا قیام اور اس کے فوائد کو عام کرنا شامل ہے، یہ دن سب سے پہلے ۱۹۷۷ء میں نارتھ امریکن وجیٹیرین سوسائٹی کے تحت منایا گیا۔ وکی پیڈیا۔

گوشت کے مقابلے میں سبزیوں میں بہت سے امراض کو روکنے کی طاقت موجود ہوتی ہے۔ اسی لیے حکیم اور ڈاکٹر حضرات سبزی خوری کے لیے تاکید کرتے اور اس کے بہت سے فائدے بتاتے ہیں۔ بی بی سی نیوز کے مطابق یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ''حالیہ برسوں میں سبزی خوری کے فیشن میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ جس کی بڑی وجوہات صحت کے بارے میں تشویش، جانوروں کی فلاح و بہبود اور ماحول کا تحفظ ہے، برطانیہ میں گزشتہ چار برسوں میں کٹر سبزی خوروں کی تعداد میں چار گنا اضافہ ہوا ہے۔ ایک حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سبزی خوری واقعی صحت کے لیے مفید ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ گوشت خوری میں کوئی فائدہ نہیں ہے، یا اسے مکمل طور پر ترک کر دینا چاہیے۔ البتہ روزانہ سبزی خوری کو اپنی غذا میں شامل کرنا چاہیے۔ سبزی خوری سے چربی کی مقدار کم ہوتی رہتی ہے، اور گوشت خوری سے اس کے بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کے یہاں گوشت اور سبزی خوری میں کمی زیادتی اس کی قیمت سے تعلق رکھتی ہے۔ جن کی آمدنی عموماً کم ہوا کرتی ہے ان کے یہاں اکثر گوشت کی خریداری کم عمل میں آتی ہے، جب کہ سبزی کے دام بھی اعتدال پر ہوں، اور وہ زیادہ بارش اور سیلاب کے خطرات سے محفوظ ہوں۔ حالانکہ کتنے لوگوں کے یہاں دونوں چیزوں کا کھانا پینا اپنے ذوق اور چاہت پر مبنی ہوتا ہے۔ حالانکہ بعض دنوں میں کسی وجہ سے سبزیوں کے دام آسمان چھونے لگتے ہیں، اور آلو پیاز کے بھی بھاؤ نہیں ملتے ہیں، لیکن سبزی خور اسے بہر حال استعمال کرتے ہیں۔ سبزی خوری میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس کا استعمال کرنے والے اکثر مٹاپے کے شکار نہیں ہوتے، اور ان میں دل کی بیماری میں مبتلا کم نظر آتے ہیں۔ اس کے کھانے سے پوٹاشیم اور وٹامن سی کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں سبزی خوری کی وجہ سے خون کے کم یا زیادہ دباؤ کی سی صورت حال پیدا نہیں ہوتی۔ ان کے معدے اور آنتوں میں خراش بھی نہیں ہوتی، اور انہیں برڈ فلو کا بھی خطرہ نہیں رہتا۔ سبزی خوری صرف معدے پر نہیں بلکہ اس کے اچھے اثرات بال کھال، چہرے کی چمک دمک ناخن، اور پورے جسم پر پڑتے ہیں۔

گوشت خوری میں کچھ نقصانات بھی سامنے آئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ بڑی آنت کے کینسر کی اصل وجہ گوشت، چربی اور کولیسٹرول ہے۔ اس کی وجہ سے سرطانی مواد تیار ہوتا ہے۔ جب کہ سبزیوں میں گوبھی، شلجم، مولی، گاجر، پالک، دالیں، بیج اور پھل کھانے والے لوگوں میں کینسر کو دور کرنے والی غذائیت شامل ہوتی ہے۔ اگر گوشت کے بغیر کھانا اچھا نہ لگتا ہو تو سالن میں سبزیوں کا بھی استعمال کر کے اس کے نقصان کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اور اصل غذا کے طور پر دال، سبزی، پھل اور اناجوں کو لینا چاہیے۔ چوں کہ گوشت کے اجزا سے بہت سی مرغوب اور چٹ پٹی چیزیں، سیخ، کباب اور چکن فرائی کی شکل میں تیار کی جاتی ہیں، اور شادیوں

میں گوشت سے بنی ہوئی طرح طرح کی چیزوں پر لوگ پہلے سبزیوں کی طرف زیادہ لپکتے ہیں، اس لیے گھروں میں جو حضرات صاحب حیثیت ہوتے ہیں وہ رفتہ رفتہ سبزی خوری کی بجائے گوشت خوری کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ امریکہ کے طبی ماہرین کی ایک رپورٹ سامنے آئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ گوشت خوری میں سبزی خوری سے زیادہ فائدہ ہے، ایسی رپورٹ پہلی بار پڑھنے کو ملی ہے، یہ ابھی تازہ انکشاف کیا گیا ہے۔

میل آن لائن کی رپورٹ کے مطابق امریکہ کی یونیورسیٹی آف الباما میں تحقیقی مطالعہ ہوا۔ جس میں لوگوں کی غذائی عادت کی نگرانی اور ان کے صحت پر پڑنے والے اثرات کا معائنہ کیا گیا۔" ماہرین نے تحقیق کے دوران ایک لاکھ ساٹھ ہزار لوگوں کا ڈیٹا اکھٹا کیا، اور اس کی روشنی میں رپورٹ مرتب کی اور بتایا کہ سبزی خوری کے بہت زیادہ نقصان ہیں، سبزی کا مستقل استعمال انسان کو ڈپریشن (دماغی مریض) بنادیتا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض لوگ خود کشی تک کرلیتے ہیں، تحقیقی رپورٹ میں بتایا گیا کہ اس کے برعکس وہ لوگ جو خوراک میں گوشت استعمال کرتے ہیں ان کی ذہنی صحت بہتر رہتی ہے، اور وہ مضبوط اعصاب کے مالک ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق تحقیق میں شامل ہر تین سبزی خوروں میں سے ایک ڈپریشن کا مریض تھا۔ اور اس کی ذہنی کیفیت اس قدر کمزور تھی کہ وہ خود کو نقصان تک پہنچانے میں دیر نہیں کرتا۔ تحقیقی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر ایڈورڈ آرچر کا کہنا تھا کہ اگرچہ سبزی خوری کے فوائد اور نقصانات پر صدیوں سے بحث جاری ہے تاہم ہماری تحقیق میں ثابت ہوا ہے کہ گوشت خوروں کی ذہنی و نفسیاتی صحت بہت بہتر ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں کو نصیحت کریں گے کہ اگر آپ ڈپریشن، ذہنی خلفشار اور خود کو نقصان پہنچانے کے خطرناک رویئے سے بچنا چاہتے ہیں تو خوراک میں سبزی کے ساتھ گوشت کا استعمال بھی کریں"۔ اے آر وائی۔ ویب ڈیسک۔ ۳۰/اپریل ۲۰۲۰ء۔

پھر بھی اکثر ماہرین سبزی خوری کے بڑے بڑے یہ تین اہم فائدے بتاتے ہیں، جن میں پہلا فائدہ یہ ہے کہ سبزی خوری دل کی صحت کی ضامن ہے۔ اس کی وجہ سے بلڈ پریشر اور ذیابیطس سے بھی بچا جاسکتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کینسر کی بیماریوں سے روک تھام ہوتی ہے اور کینسر ہونے کا خطرہ کم ہوجاتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے استعمال سے مٹاپے میں کمی ہوتی ہے، کیونکہ سبزی نظام ہضم کی درستگی میں مدد کرتا ہے۔ مگر سبزی خوروں کے لیے ضروری ہے کہ باقاعدہ تمام سبزیاں منصوبہ بند طریقے سے استعمال کیا کریں۔ کیونکہ اس کی مستقل عادت رکھنے کی صورت میں وٹامن بی، وٹامن ڈی، کیلشیم اور آئرن کی کمی ہوسکتی ہے، جو سبزیوں میں کم پائی جاتی ہے، اس لیے ان وٹامنوں کو دوسری غذاؤں یا گوشت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سبزی اور پھل کے بارے میں میری اس نظم کا مطالعہ مفید ہوگا:

روز جو کھاتا ہو سبزی اور پھل باقاعدہ
ہر طرح کی وہ وٹامن کا اٹھائے فائدہ
فائبر ہو یا وٹامن یا کہ معدنیات ہو
یہ ملے گی پھل میں اور سبزی میں اس کو روز کھاؤ
سبزیوں سے اور پھلوں سے ملتی ہے صحت بہت
زندگی کی لمبی کرسکتی ہے یہ مدت بہت
وہ بنادیں کھال کی رنگت کو بے حد پُرکشش
سبزی اور پھل سے اگر ہوگی بدن کی پرورش
مختلف امراض سے انسان ہو محفوظ بھی
زندگی کی عیش و عشرت سے ہو وہ محظوظ بھی
قلب کے امراض بھی کم اس سے لاحق ہوتے ہیں
چستی اور پھرتی میں وہ ہر اک سے فائق ہوتے ہیں
کینسر ہونے کا خطرہ بھی بہت کم ہوتا ہے
اچھی نیند انسان وہ رات اور دن میں سوتا ہے
تازہ سبزی اور پھل ہو اس کو کھانا چاہیے
ہو گراں چاہے، مگر گھر اس کو لانا چاہیے

(قسط:۳) **ڈاکٹر آصف لئیق ندوی ارریاوی**۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد

آزاد ہندستان اور بنیادی انسانی حقوق؟!

جبکہ سرکاری قانون کے مطابق پرچم کشائی میں رنگوں کا رد و بدل بھی کرنا یا اسے الٹا لہرانا ایک طرح کا جرم ہے، مگر حکمراں طبقہ کی سرپرستی میں دن اور رات کتنے ایسے کام ہوتے ہیں، جو دستور میں ہی رد و بدل کے مترادف ہیں، یہ الٹے اور غلط کام ہیں، بعض تو دستور مخالف، انسانیت مخالف، ترنگا مخالف کے دائرے میں آتے ہیں، جس سے ترنگے کی تقاضے کی خلاف ورزی ہوتی ہے، ملک کی روح ومزاج کی توہین ہوتی ہے، مگر اس پر کوئی ایسی گرفت اور مؤاخذہ کا قانون عمل میں لاتے نہیں دیکھا؟ جو قانون اور دستور کے ساتھ مذاق وکھلواڑ سے ارباب حل واقتدار اور شرپسندوں اور نام نہاد تنظیموں کو باز رکھے، ہر ہندوستانی شہری کو برابری کی نظر سے دیکھا جائے اور مساوی تحفظ فراہم کیا جائے اور ملک کی حریت وآزادی پر کوئی داغ اور دھبہ نہ لگا سکے، زبان پر آزادی کے نعرے، دل سے اسکا انکار کو بھی پرچم کی توہین جیسا جرم سمجھا جائے، تبھی آزادی پر الزام، تہمت اور افترا کا سد باب ممکن ہو سکے گا ورنہ یہ کھیل اور تماشہ روز افزوں بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ جس پر بعد میں حکومت کے لیے کنٹرول کرنا بھی دشوار کن ہو جائے گا۔ اس لیے اس پر فوراً روک لگانا ضروری ہے۔

ہمارے پرکھوں نے ہمیں حقیقی بھارت اور بنیادی انسانی حقوق کی بقا اور تحفظ کا جو خواب دکھایا تھا، انسانوں کو ان کی تنگ نظری اور ظلم وزیادتی سے نکال کر دنیا کی وسعتوں میں پہنچایا تھا اور تمام مذاہب وادیان کے جھگڑوں کو ختم کیا تھا، اور بھائی چارے کی بنیاد پر ایک جمہوری دستور و نظام زندگی دیا تھا، نفرت وعداوت کی سازشوں اور پروپیگنڈوں سے پاک وصاف ملک عطا کیا تھا، گنگا جمنی تہذیب کے اصول وضوابط دیئے تھے، آزاد بھارت میں محبت و الفت سے لبریز والی زندگی کی یہی تعبیر بتلائی تھی، یہ سب جتن اس لیے نہیں کیا گیا تھا کہ ہم ایک آزمائش اور مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر کے دوسری بڑی مصیبت اور آزمائش میں گرفتار ہو جائیں؟ امید افزا اور حوصلہ بخش حیات سے نکل کر نا امیدی اور قنوطیت والی زندگی میں مبتلا ہو جائیں؟! ایک قید خانے سے آزاد ہوکر دوسرے بڑے قید خانے میں ڈال دیے جائیں؟! یہ قربانی اس لیے نہیں تھی کہ آج جمہوری قوانین اور حقوق انسانی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمیں ایک ہی فرقہ کی آئیڈیالوجی کے زنجیروں میں جکڑ دیا جائے! آزادی کی لذت وسرور اور روحانیت والی زندگی سے جدا کر کے ذات پات، بھید بھاؤ، بغض وعناد، اونچ نیچ اور اہانت ورسوائی والی زندگی کو گلے لگانے پر مجبور کیا جائے اور اسکے لیے جبر واستبداد کا سہارا لیا جائے اور اسکو قانونی شکل دینے کے لیے طرح طرح کی سرکاری کوششیں بھی کی جائیں؟ یہ غلط حربے ہیں جو ہمارے ملک میں کھلے عام اختیار کیے جارہے ہیں؟ جس پر ہمیں بہت افسوس ہے۔

کیا انگریزوں سے چھٹکارا اسی لیے حاصل کیا گیا تھا کہ ہم آسمان سے گریں اور کھجور پر اٹک جائیں!؟ ایک عذاب سے نکلیں اور دوسرے پرخطر فتنہ میں پڑ جائیں! خدائی بشارت اور نبوی خوشخبری والی طرز زندگی کا سودا ہم خواہش پرستی والی زندگی سے کرلیں! اپنے آباء واجداد کی پیش کردہ قربانیوں سے حاصل شدہ آزادیوں، تن سے جدا گردنوں، پھانسی کے پھندوں، جیل خانوں کی صعوبتوں اور ان کے صبر واستقلال اور طویل داستانِ لہو کے واقعات کو یکسر فراموش کردیں! دشمن اس پر نمک چھڑکتے رہیں اور شرپسند عناصر انکو اپنے

ناپاک عزائم ومقاصد کا ہدف بنائیں، گودی میڈیا، سوشل میڈیا جیسے فیس بک وغیرہ اور فرقہ پرست طاقتیں ہمارے خلاف سازشیں کرتے رہیں اور ہم آسانی کیساتھ انکے پروپیگنڈہ کا شکار ہوجائیں!؟ وہ لوگ ملک کی پرامن فضا میں اسلام دشمنی اورنفرت و عداوت کا زہر گھولتے رہیں! سازگار ماحول کو ناسازگار بناتے رہیں! انکے دل میں جو آئے وہ لوگ کرتے چلے جائیں! اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں؟! وہ لوگ ہمیں ہر معاملے میں بلی کا بکرا بناتے رہیں اور ہر طرح سے ہماری بے شمار قربانیوں کے باوجود ہمارا امتحان لیتے رہیں اور ملک سے ہماری وفاداری پر شک وشبہ کی نظر ڈالتے رہیں اور ہر طرح کی غداری، دہشتگردی، بدنامی اور ذلت و رسوائی کا الزام اور تہمت ہم پر ڈالتے رہیں حتی کہ اپنی عارضی قوت وطاقت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہماری قوم کیساتھ عصبیت ومنافرت والا رویہ اور معاملہ اپناتے رہیں! ہمارے حق آزادی کو وہ لوگ چھینتے رہیں اور ہم انکے ظلم وستم کو سہتے رہیں! ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر بھی ہمیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیں اور طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دیتے رہیں!

حقیقتاً یہ نہ صرف ہمارے ساتھ بڑی حق تلفی اور ظلم و زیادتی ہے، بلکہ عدل وانصاف کے نام پر داغ ہے، اس ملک میں بڑی ذلت و رسوائی ہے، آزاد بھارت، اسکی گنگا جمنی تہذیب، انسانیت کی خیرخواہی، سماجی ہم آہنگی، یکجہتی اور سب سے اہم ملک کی روح اور آزادی کے تقاضوں کی صریح خلاف ورزی ہے اور آزادی و پرچم کشائی کے معنی اور مفہوم کی توہین ہے! ہمارے ملک کی اکثریت کو آزادی کے سلسلے میں مغالطے میں ڈالا جارہا ہے اور دانستہ طور پر اس کے معنی ومفہوم سے چشم پوشی کرتے ہوئے 70 سالوں سے زائد صرف پرچم کشائی، آزادی کے ترانے اسکی نعرہ بازی صرف زبانی طور پر ادا کی جارہی ہے مگر عمل ندارد ہے، انکا دل اور ضمیر آزادی کے صحیح مفہوم سے غیر مانوس اور باغی ہے!؟ کیا یہ قوم وملک سے بڑا مذاق اور کھلواڑ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہ حقیقی منافقت نہیں ہے؟ اسی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہر میدان میں ناانصافی اور حق تلفیاں ہورہی ہیں!! اب تک جو حق تلفیاں ہوئی ہیں، اسکا حقیقی ذمہ دار آخر کون ہے؟ اسکا ادراک کیسے ہو؟ سچی بات یہی ہے حکمراں طبقے کی نیت بالکل صاف نہیں ہے، جبکہ حالیہ بمبء اور مدراس کے ہائی کورٹ کے بیان سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اور شرپسندوں نے جو رویہ اپنایا، وہ نہ صرف ناانصافی پر مبنی ہے بلکہ جماعت کے نام پر تمام مسلمانوں کو بلی کا بکرا بنایا گیا، عدالت کے اس ریمارک سے جہاں ریاستی، مرکزی حکومت اور گودی میڈیا اور نام نہاد اسلام مخالف تنظیمیں سب کٹھہرے میں کھڑے ہونے کی لائق ہیں، جنہوں نے اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لیے ایسا گندہ حربہ اختیار کیا، جس میں مسلمانوں کو بدنام کر کے "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والا معاملہ اپنایا گیا۔

اب بلا تاخیر ہمیں، ہماری قوم اور مخلص برادران وطن کو بلا امتیاز مذہب و مسلک حکمراں طبقے اور شرپسندوں کی سازشوں کو سمجھنا ہی پڑے گا! مظالم وجرائم کے خلاف مکمل متحد ہونا پڑے گا! ملک کو ٹوٹنے سے بہر حال بچانا ہوگا! سبھی کو اپنے اعتماد و بھروسے میں لینا ہوگا! تاکہ مزید کوئی انسانی حقوق کی پامالیاں نہ ہوسکیں، قوم وملک ہر میدان میں بشمول معیشت، تعلیم وتربیت، اخوت ومودت کی ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکے، "سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا وشواس" ہمارا صرف زبانی نعرہ نہ رہے بلکہ حقیقت میں یہ ہمارے دل اور ضمیر کا صحیح ترجمان بن سکے اور قوم وملک پھر سے نمایاں کامیابیوں سے ہمکنار ہوسکے!!

ہمیں لوگوں کو بتانا ہوگا کہ گروہ بندیوں کے کیا کیا مضرات ونقصانات ہیں؟! رواداری، یکجہتی، محبت والفت، اخوت

ومودت کے کیا کیا فوائد ہیں؟! جو کام سرکار وحکمراں طبقے کے کرنے کا تھا، اسے اب ہم برادران وطن کو زندہ کرنا ہوگا! ہمارے پرکھوں نے ہمیں جس طرح اور جس پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا اور آزاد، جمہوری ملک کا مستحکم نظام ہمارے حوالے کیا تھا، اب ہمیں بھی اسی طرح اس پر جمع ہونا ہوگا جیسا کہ وہ جمع ہوئے تھے اور دشمنوں کو شکست دی تھی آج بھی ہمیں اس آزاد بھارت کو بہرحال ظالموں اور شرپسندوں کی بدنیتی سے چھڑانا ہوگا!

ہمارے پرکھوں نے وطن عزیز میں سب کے لیے چین وسکون سے زندگی گزارنے کا جو طریقہ فراہم کیا تھا، اپنے اپنے مذہب وتہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی جو راہ بتائی تھی اور رواداری کا ہمیں جو سبق سکھایا تھا ہمیں وہی ڈگر پر چل کر چین وسکون حاصل ہوگا، تبھی ہمیں آزادی کی لذت وفرحت، محبت و الفت اور اخوت ومودت حاصل ہوگی، فرقہ بندی سے ہمیں اسلیئے دور ہونا ہوگا کہ فرقہ بندی کی شاخیں حقد وحقارت اور نفرت وعداوت کی جڑوں سے پھوٹتی ہے اور رواداری کو اسلیے ہمیں اپنانا ہوگا کہ یہ انسانیت کے دکھ درد میں جینا مرنا اور تڑپنا سکھاتی ہے، گروہ بندیوں میں عصبیت، منافرت اور بھید بھاؤ کے مضرات شامل رہتے ہیں، رواداری کے جذبات و احساسات میں جہاں اتحاد واتفاق، مساوات وبرابری اور عدل وانصاف کا عنصر غالب رہتا ہے، وہیں متعدد مذاہب وادیان کے حامل ملک کے مفاد میں یکسوئی پیدا کرتا ہے اور سماجی ہم آہنگی وملکی یکجہتی کو برقرار رکھتا ہے، امن وامان کی فضا کو ہموار کرتا ہے، سازگار ماحول کا قیام عمل میں لاتا ہے، انسانیت کے عظیم اہداف ومقاصد کو بروئے کار لانے میں یہ چیزیں بہت مدد معاون ہیں، جنکی اسوقت ہمارے ملک اور اسکے ماحول کو شدید ضرورت بھی ہے، جن سے ہماری قوم و ملک کو بلندی ومنزلت حاصل ہوگی اور ہر میدان میں ہمیں فوقیت ملے گی۔

جب سے فرقہ پرستی کا دور شروع ہوا ہے تب سے ہمارے ملک کا ہر نظام بگڑ کر رہ گیا ہے، معیشت تباہ ہوگئی ہے، بے روزگاریاں آسمان چھو رہی ہیں، وبائیں اور امراض پورے ملک میں پھیل گئے ہیں، بیماریوں کے خوف سے ہر شخص جھجھ رہا ہے، ہر شخص کا کاروبار متأثر ہوکر رہ گیا ہے، کل کا مالدار آج غربت وافلاس کا شکار ہوکر رہ گیا ہے، تعلیمی وتربیتی نظام بالکل چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے، عدل وانصاف اور اتحاد واتفاق کا بے پناہ نقصان ہو رہا ہے، آدمی آدمی سے دوری بنائے ہوا ہے، قومی صحت وسلامتی کا مسئلہ درپیش ہے، انسانی مفادات اور اجتماعیت کی خیرخواہی کا بڑا بحران جنم لیتا جارہا ہے غرض کہ فرقہ پرستی کی ایک وبا سے بے شمار وبائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی جارہی ہیں، ہر ایک کا اعتماد اور بھروسہ حکمرانوں سے متزلزل ہوتا جارہا ہے، بی جے پی مخالف ہوائیں عام ہوتی جارہی ہیں۔ مودی لہر ناپید ہوکر رہ گئی ہے، برادران وطن کے مسائل جوں کے توں پڑے ہوئے ہیں۔ یکسوئی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے، ہر طرح کے نقصانات ومضرات سے بچنے کے لیے بس وہی نسخہ ہم سب کیلیے بہت مفید اور کارآمد ہے جو ہمارے بڑوں نے ہمیں عطا کیا ہے جس کا اس مضمون میں کثرت سے تذکرہ آگیا ہے کہ برے لوگوں کی نحوستوں سے اس ملک کو پاک کیا جائے تاکہ شرور وفتن سے نجات و چھٹکارا حاصل ہوسکے، ان کے ناپاک ارادوں سے ملک کو محفوظ بنایا جائے تاکہ ہمیں سماجی وملکی ہم آہنگی نصیب ہوسکے، اس کے حصول اور اسے برقرار رکھنے کے لئے ہمیں ہر طرح سے متحد ہونا پڑے گا، اسکی ہوائیں چلانی پڑینگی، سب کے شعور واحساسات کو بیدار کرنا ہوگا، فرقہ پرستی اور گروہ بندی کے فتنے سے بہرحال قوم وملک کو نکالنا پڑے گا تبھی ہم موجودہ ناگفتہ بہ حالات اور انکے مضرات سے محفوظ رہ پائیں گے اور قوم وملک کو خاکستر اور نیست ونابود ہونے سے بچا سکیں گے۔۔۔۔۔۔۔جاری

ڈاکٹر ایاز احمد۔شعبۂ زبان وادب موہن یونیورسٹی،اڈیشہ

غیور اقطاب احمد کی شعری حسیت

غیوراقطاب احمد کی شاعری پر ''**الشعراء تلمیذ الرحمٰن**'' کا مقولہ صادق آتا ہے۔ان کے شعری سفر میں ان کے ذوقِ سلیم کے علاوہ کوئی رہنما نہیں ہے، تاہم ان کی فکر و وجدان نے ان کی مناسب رہنمائی کی ہے جس کا ثبوت ان کی شاعری کے مطالعے سے فراہم ہو جاتا ہے۔ان کے شعری مجموعے میں بکھرے ہوئے فکر ونظر کے گہر ریزے اس وادی کی سیاحت کرنے والوں کے دامنِ دل کو اپنی طرف ضرور کھینچتے ہیں۔ان کی شاعری میں تصنع وتکلف کی جگہ شگفتگی وسادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔انھوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور انھیں پیکرِ شعر میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔زندگی کے تجربات سے بھر پور ان کی شاعری پر ان کے مذہبی مزاج کی چھاپ ہر جگہ نظر آتی ہے اور اس چھاپ کا عکس ان کے خاندانی پس منظر سے ابھرتا ہے۔

غیور اقطاب احمد کی پیدائش ۷/ جولائی ۱۹۶۳ء کو پٹنہ میں ہوئی۔ان کے والد حکیم نعمان حیدر ایک اچھے ادیب اور افسانہ نگار تھے۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ انھیں بچپن ہی سے ایک بہتر ادبی ماحول ملا۔انھوں نے پٹنہ سے ایم۔بی۔اے۔ اور بھاگل پور سے ایل۔ایل۔بی۔کی تعلیم حاصل کی۔تاہم مزاج سے فطری ہم آہنگی نہ ہونے کے باعث وکالت کو پیشے کے طور پر کبھی نہ اپنا سکے۔کچھ دنوں ٹائمس آف انڈیا کے لیے بطور آزاد صحافی مضامین لکھتے رہے۔والد کی وفات کے بعد معاشی ضرورتوں کے پیشِ نظر ایک اشتہاری کمپنی میں بھی ملازمت کی، لیکن یہاں بھی طبیعت کو اطمینان نصیب نہ ہوسکا۔ بالآخر درس وتدریس کے پیشے سے منسلک ہوگئے۔یہاں ان کی شناخت ایک بہترین استاد کی شکل میں مستحکم ہوتی گئی۔وہ بنیادی طور پر انگریزی کے استاد ہیں تاہم گھر کے ادبی ماحول اور والدین کی تعلیم وتربیت نے انھیں اردو ادب سے ہمیشہ قریب رکھا۔ان کا شعری ذوق نہایت بالیدہ اور رچا ہوا ہے۔صحت مند شعری رجحان کے ساتھ ساتھ ان کے ادبی وفکری انسلاکات پوری انسانیت کو گھیرے ہوئے ہیں۔انھوں نے صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے شعر وادب کو اپنا وسیلۂ کار بنا لیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا، غیور اقطاب احمد کی شاعری تمام تر تکلفات وتصنع سے پاک ہے۔وہ جو کچھ بھی دیکھتے اور سمجھتے ہیں بے کم وکاست شعر میں پیش کر دیتے ہیں۔اظہار کی یہی سادگی ان کو وقار عطا کرتی ہے۔زیرِ نظر مجموعہ ان کے شعری سفر کا پہلا پڑاؤ ہے جسے ''پہلی دھوپ'' کا عنوان دیا گیا ہے۔اس مجموعے میں حمد، نعت، نظمیں، گیت، غزل قطعات وغیرہ سبھی کچھ ہے۔میں اس مجموعے کے مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے باوصف ان کا شعری جوہر نظموں میں زیادہ کھل کر سامنے آسکا ہے۔وہ کسی نظریے یا ازم کے بجائے نظر کے زیادہ قائل نظر آتے ہیں اس لیے ان کی نظموں میں سماجی وسیاسی حقائق زیادہ عریاں صورت میں سامنے آسکے ہیں۔خیالات کے تسلسل کے ساتھ ساتھ بے لاگ اظہار کی صلاحیت ان کا امتیازی وصف قرار دیا جاسکتا ہے۔منظر نگاری کے مواقع ان کی نظموں میں کم ہی میسر

آسکے ہیں تاہم جہاں کہیں بھی اس طرح کا موقع مل سکا ہے انھوں نے خوب صورت منظر نگاری کے نمونے بھی پیش کیے ہیں ۔نظم کا یہ حصہ ملاحظہ کریں:

اک چمن کی طرح تھا ہمارا وطن
جانے کس کی نظر لگ گئی ہے کہ اب
اک بیاباں کی مانند یہ ہو گیا
اب تو کانٹے ہی کانٹے ہیں چاروں طرف
پھول چھپ کر نہ جانے کہاں سو گئے
اور پھیلایا ہے زہر ماحول میں
اس چمن میں محبت کا نام ونشاں
ڈھونڈھنے سے بھی شاید نہ مل پائے گا

ملک کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور نفرتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں ہمارے ملک عزیز کا شناخت نامہ جسے ہم گنگا جمنی تہذیب کے نام سے جانتے ہیں، کہیں کھو گیا ہے۔ انیکتا میں ایکتا کا تصور شاید اب قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔اقطاب احمد نے موجودہ صورت حال کا جو نقشہ مذکورہ نظم میں پیش کیا ہے وہ بالکل مبنی برحقیقت بھی ہے اور شاعر کی کامیابی کی دلیل بھی۔

اسی طرح انسانی اقدار کی پستی بھی ان کے دل کو تڑپاتی ہے ۔آج جب ساری دنیا اس اخلاقی پستی کا شکار ہے۔جہاں سارے رشتے اپنی معنویت کھو چکے ہیں ۔جہاں بھائی چارہ ،یکجہتی ، ہمدری، قربانی اور پیار ومحبت جیسے الفاظ بے معنی ہوکررہ گئے ہوں۔جہاں بھائی بھائی کی جان کا دشمن بن گیا ہو، جہاں دولت کی ہوس انسانیت کی ساری حدیں پار کر چکی ہو، جہاں چند سکوں کے لیے خوں ریزی ہو رہی ہو، جہاں ظاہری چمک دمک ہی کامیابی کا معیار تصور کیا جاتا ہو، اس سماج اور اس معاشرے میں زندگی کیا معنی رکھتی ہے اور کسی زندہ دل میں جینے کی کتنی آرزو باقی رہ سکتی ہے، اس کا اظہار اقطاب احمد کی نظم ''زخمی جگر'' میں ملاحظہ فرمائیں:

انساں کا جہاں مول نہیں ، مول ہو دھن کا
ایثار کا جذبہ نہ جہاں پیار کی قیمت
سنسار ہے کیسا جہاں بیوپار ہو دھن کا
دولہا جہاں بکتا ہو جہاں جلتی دلہن ہو
زندہ جہاں انسان کا کردار دفن ہو
دنیا اسے بولیں گے کہ بولیں گے قبر گاہ
کیسے کوئی جینے کی دعا مانگے خدا سے
ہو شکل میں انسان کے شیطاں جہاں پیدا
کیوں کر کوئی حیوان کو انسان کہے گا

مادیت پرستی اور صارفیت کے اس عہد میں آفاقی اور اعلیٰ قدروں کا زوال ایک عام سی بات ہے اور تقریباً ہر شاعر کے یہاں ان موضوعات پر کچھ نہ کچھ مل جائے گا مگر ہر شاعر کے اظہار کا انداز جداگانہ ہوتا ہے اور یہی چیز شاعر کو ایک دوسرے سے ممیّز کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔اقطاب عالم ایک حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں اعلیٰ انسانی اقدار کی پامالی پر ان کا دل دکھتا ہے اس لیے اکثر ایسے مواقع پر ان کا لہجہ کرخت اور باغیانہ ہوجاتا ہے۔تاہم جذبے کی صداقت اور خلوص کی شیرینی میں کہیں کمی واقع نہیں ہوتی۔وہ ہر مقام پر اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بحالی کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ملاحظہ کریں ان کی نظم ''وفا'' کے کچھ مصرعے:

اس کی آنکھوں پہ ہے پڑا پردہ
جب سے لالچ کی قید میں آئی
اس وفا کا مزاج بدلا ہے
با وفاؤں نے کی مہم جاری
ہم بھی اپنا مزاج بدلیں گے

اب کسی پہ نہ منحصر رہ کر
اپنی قوت کو آزمائیں گے
تخت بدلیں گے تاج بدلیں گے
بے ایمانی کا راج بدلیں گے
اپنا قانون خود بنائیں گے
اپنا آئین ہم بنائیں گے
اب کھڑی ہوگی کٹہرے میں وفا
فیصلہ ہم اسے سنائیں گے

یہاں شاعر کے جذبات زیادہ واضح طور پر سامنے آئے ہیں۔وہ ایک باغیانہ تیور اور عزمِ محکم کے ساتھ حالات کا رخ موڑنے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔اسی سلسلے کی ایک اور نظم ''مجھے واپس بلالے'' میں شاعر زندگی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اس کے اندر جینے کی آرزائیں دم توڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں تاہم امید کی مدھم روشنی ضرور باقی رہتی ہے اور نظم کو قنوطیت سے بچالیتی ہے۔

اسی طرح والد محترم کے انتقال پر کہی گئی نظم ''رسمِ آخر'' میں انسانی جذبات واحساسات کا اظہار جس شدت کے ساتھ ہوا ہے،اس سے جذبات کی فراوانی کے باعث نظم پر شاعر کی گرفت کمزور ہوگئی ہے۔اپنی اس کمزوری کا شاعر کو بھی احساس ہے اور وہ بارگاہِ خداوندی میں معذرت خواہی کے طور پر کچھ مصرعے نظم کرتا ہے:

او جگ کے پالنے والے
مری درخواست ہے تجھ سے
معافی مجھ کو دے دینا
غموں کا بوجھ ،لمحوں کی نزاکت ، ناتواں انساں
کہیں ایسے میں دامن صبر کا چھوٹے تو فطری ہے

اس نظم پر اقبال کے اثرات بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔نظم کے اس حصے پر آ کر تو اقبال کی نظم ''لینن خدا کے حضور میں'' بے ساختہ یاد آ جاتی ہے:

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

اقطاب احمد کی نظر حالیہ عالمی حالت پر بھی رہتی ہے ۔انھیں بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے انسانیت سوز واقعات متاثر کرتے رہتے ہیں،جن کا اظہار اکثر نظم کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔اس لیے ان کی نظموں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ان کے پس منظر سے واقفیت ناگزیر ہو جاتی ہے۔اس قبیل کی نظموں میں عالمِ اسلام کی موجودہ صورتِ حال اور عرب ممالک کی بے حسی پر احتجاج کرتی ہوئی نظم ''ہمیں بھی سرب کی دھرتی پہ انگارے گرانے دے'' ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔نظم کے ایک ایک مصرعے سے جذبے کی صداقت پھوٹی پڑتی ہے۔اس نظم میں شاعر نے اپنے ماضی کی روشن تاریخ جس نے کبھی سارے عالم کو زیر وزبر کر رکھا تھا، کو یاد کرتے ہوئے پھر اسی جذبۂ ایمانی اور نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں دعا گو ہے:

الٰہی پھر ہمارے عزم مستحکم کو جنبش دے
ہمیں وہ ذوق دے پھر سے ہمارے قلب گرما دے
کہ ہم تاریخ کے اس باب کو پھر آج دہرائیں
جہاں ہیں درج قصے سینکڑوں اپنی شجاعت کے
کبھی اسلام کا پرچم زمانے بھر میں لہرایا
صدا اللہ اکبر کی تمام عالم میں گونجی تھی
سمرقند و بخارا چین اور اسپین کی دھرتی
ہمارے حوصلوں کی آج بھی روداد کہتی ہے
وہی جوہر ہمیں پھر بوسنیا میں دکھانے دے
ہمیں بھی سرب کی دھرتی پہ انگارے گرانے دے

اقطاب احمد ایک رجعت پسند شاعر ہیں۔وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ان کی اس قبیل کی دوسری نظموں میں ''یہ پیشاور نہیں تھا'' اور زخمی جگر خصوصیت کے ساتھ قابلِ مطالعہ ہیں۔ان کی رجعت پسندی ''یوں نہ مایوس ہو'' میں پوری شدت سے جلوہ گر ہوئی ہے اس نظم میں انھوں نے وقت اور حالات کی نزاکتوں کو سمجھنے اور اس کے مطابق لائحۂ عمل اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ ''کم نہیں دنیا میں انعام دیا ہے تو نے'' کے عنوان سے کہی گئی نظم میں خدا کے احسانات اور بخششوں کا اعتراف کرتے ہوئے انسان کی ناشکری اور کج رویوں کا بھی اقرار کیا گیا ہے، نیز انسان کی تمام تر گمراہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود خدا کی رحمتوں سے امید کے رشتوں کو مضبوطی کے ساتھ استوار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہی چیز ان کی انسانیت سے ہمدردی کے جذبے کو ابھارتی ہوئی نظر آتی ہے۔

دنیا کے تمام رشتوں میں ماں کا رشتہ سب پر فوقیت رکھتا ہے اور بیشتر شعرا نے اس رشتے کو موضوع بنا کر خوب صورت تخلیقات پیش کی ہیں۔اقطاب احمد نے بھی اس رشتے کے حوالے سے ایک بہت ہی خوبصورت نظم ''ذاتِ عظیم'' پیش کیا ہے۔نہ صرف یہ کہ انھوں نے اس رشتے کی عظمت و تقدس کو پیش کیا ہے بلکہ اس نظم میں ان کا فن بھی اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔انھیں اپنے فن کی پیش کش میں ان نظموں میں زیادہ کامیابی نصیب ہوئی ہے جن میں تخیل کی کارفرمائی زیادہ ہے۔اس سے ان کے تخیل کی پرواز کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اقطاب احمد کی شاعری کے جوہر ان کی نظموں میں ہی کھلتے ہیں تاہم ایسا نہیں ہے کہ ان کی غزلیں شعریت سے بالکل عاری ہیں۔ان کی غزلیں بھی اپنا لطف رکھتی ہیں۔البتہ ان میں روایتی غزل کی چاشنی کسی قدر کم ہی پائی جاتی ہے، جس کا سبب ان کا مذہبی مزاج اور مصلحانہ نظریے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔انھوں نے اپنی غزلوں سے بھی اصلاح کا کام لینا چاہا ہے۔تاہم وہ صرف اصلاح پسندی کے حصار میں قید ہو کر نہیں رہ سکے ہیں اور جہاں بھی انھیں موقع میسر آسکا ہے، کھل کر اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا ہے۔حالات حاضرہ، انسانی پستی، فطرت سے بغاوت اور ناا ہلی کو انھوں نے غزل کے پیمانے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، اسی باعث اکثر مقامات پر ان کے لہجے کا کھردرا پن زیادہ واضح ہو گیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ کریں:

لفظ انسانیت لوگوں کی زباں پر تو ہے
ہے کہیں اس کا بھی مفہوم و معنی زندہ

عدل و انصاف کی ہے کیسی کہانی زندہ
قید خانے سے رہا ہوگیا زانی زندہ

حرص و لالچ کی چڑھی بھینٹ پھر اک دوشیزہ
پھر جلی آج یہاں ایک سیانی زندہ

بادشہ خود نہیں جہاں محفوظ
حشر کیا ہوگا ان پیادوں کا

امن و اماں کے اب وہ زمانے کدھر گئے
ہر شخص کی نگاہ میں بیٹھا ہوا ہے خوف

جس کی خاطر نظم گلشن بھی ہوا
راستوں میں اس نے کانٹے بو دیے

شعری اظہار کے مروجہ طریقوں میں ایک بہت مقبول اور کارآمد طریقہ طنز کا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں مقررین و مصلحین کی لمبی چوڑی تقریریں بے اثر ہوکر رہ جاتی ہیں وہاں طنز کا ایک چھوٹا سا تیر اپنا کام کر جاتا ہے۔ اقطاب احمد طنز کی اس اثر آفرینی سے بخوبی واقف ہیں اور انھوں نے اپنے شعری اظہاریے میں اکثر جگہوں پر اس ہنر سے بھی کام لیا ہے۔ ذیل میں اس قبیل کے چند شعر درج کیے جاتے ہیں۔

مانگ لو بھاڑے پہ تم بھی ایک ماروتی میاں
آج کل ہر موڑ پر سکے جمانا عام ہے

اب ہمیں درکار نہ جاڑوں میں کمبل کی رفیق
سینک لو تم بھی ارے جھگی جلانا عام ہے

جاگ کر راتوں میں مسلم نوجواں کرتے ہیں کام
کیا ہوا گر رات بھر لیتے نہیں اللہ کا نام

سر چھپانے کو چھت نہیں ملتی
آشیاں چاند پر بناؤں گا

اقطاب احمد کی شاعری میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے، اس لیے ان کی شاعری سے بھرپور لطف اندوز ہونے کے لیے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔ چند اشعار کے انتخاب سے ان کے تنوعات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ تواردِ مضمون اور چند فنی تسامحات البتہ طبع سلیم پر گراں گزرتی ہیں مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے جنھیں نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے اور انصاف تو یہ ہے کہ ان چند فنی تسامحات کی بنیاد پر کسی کی پوری شاعری کو تو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر کلام انسانی کا امتیاز بھی یہی ہے کہ وہ اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ عیب سے پاک اور مبرا کلام تو کلامِ خداوندی ہی ہوسکتا ہے۔ یہی چھوٹی چھوٹی خامیاں اور کمزوریاں ہی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ کلامِ انسانی بہر حال کلامِ انسانی ہے۔ البتہ اظہار کی خوش سلیقگی اور پختگی اسے کسی قدر اعتبار عطا کر دیتی ہے۔ اب غزل کی لطافت میں ڈوبے ہوئے کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

چہچہاتے ہوئے آتے ہیں پرندے جب گھر
ان درختوں پہ ہوئی شام سہانی زندہ

حد سے بڑھ جائے جنوں عشق تبھی ہو مقبول
شمع پروانے کی ہے اب بھی کہانی زندہ

بانسری وہ نہ رہی شیام سلونا نہ رہا
پریت زندہ ہے یہاں ''میرا'' دیوانی زندہ

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اقطاب احمد کی شاعری میں روایت کی روشنی، حال کی تمازت اور مستقبل کے خواب ہم آہنگ ہوگئے ہیں۔ ان کی شاعری میں داخلیت کم اور خارجیت کے پہلو زیادہ نمایاں ہوئے ہیں۔ تاہم ان کی شاعری زندگی کی حرارتوں سے بھرپور ہے۔ ان کے کلام میں ایہام کی بھول بھلیوں کے بجائے سادگی سلاست اور روانی ہے۔ ان کے یہاں ثقیل الفاظ اور مشکل تراکیب کے علی الرغم ہندی اور اردو کے سبک الفاظ اپنی پوری لطافت کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری زندگی کی صالح قدروں کی ترجمان ہے۔ امید ہے ان کی شعری کاوشوں کو ادبی حلقوں میں تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

محمد امجد حسین۔ریسرچ اسکالر،ایل۔این۔ایم۔یو۔دربھنگہ(بہار)

جوش ملیح آبادی: ایک انقلابی شاعر

شاعر اپنے عہد کا عکاس ہوا کرتا ہے۔ اپنے اردگرد کے حالات و ماحول کو اپنی تحریروں کے ذریعہ منظر عام پر لانے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اردو شاعری کی دنیا کے یہ ستارے اپنی مخصوص روشنی سے دنیا کے مختلف حصوں میں روشنی بکھیرنے کا کام کرتے ہیں۔ کسی بھی شاعر کی تحریروں سے اس کے عہد کی تصویریں نمایاں ہوتی ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی شاعری کا جائزہ جب ہم لیں تو پہلے اس کے عہد کی پوری پوری جانکاری حاصل کرلیں۔

جوش ملیح آبادی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں غزل کا بول بالا تھا۔ جوش کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔ ان کے بزرگوں نے اردو شاعری پر جو احسانات کئے ہیں وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ جوش نے بھی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اردو شاعری کی دنیا کو اپنی تحریروں سے مالا مال کیا۔ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے انسانی ذہن میں ایک انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ جوش نے الفاظ سے کام لیا اور آزادی کے متوالوں کو اپنی تحریروں کے جادو سے سرشار کیا اس کے دلوں میں ایک نئی ہلچل پیدا کردی:

چونکئے ذرا ہوائیں گرم آنے والی ہیں
ذرہ ذرہ آگ میں تبدیل ہونے والا ہے

جوش کے کلام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستانی تہذیب وتمدن کو بہت عزیز سمجھتے تھے۔ ان کی شخصیت ایک محبّ وطن کی حیثیت سے بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ وہ ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے اور رہنمائے قوم کی حیثیت سے اتحاد و یکجہتی میں نمایاں کارنامہ انجام دے رہے تھے اپنے وقت کے نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اٹھ اے ندیم کہ رنگ جہاں بدل ڈالیں
زمیں کو تازہ کریں آسماں بدل ڈالیں
نظام وحدتِ قیام کا ہے یہ شور
کہ یہ تصور سود و زیاں بدل ڈالیں

۱۹۲۵ء کے بعد جوش کے ذہن نے ایک نئی کروٹ لی۔ وہ مجاہد آزادی کی حیثیت سے میدان میں اتر آئے۔ ان کی شاعری میں کاکل و رخسار کی جگہ ملکی وقومی مسائل نے بھی جگہ بنایا شروع کردیا۔ اس نوعیت کے ایک شعر ملاحظہ کریں:

کام ہے میرا تغیر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

انگریزی سامراج کے خلاف انہوں نے قدم اٹھایا اسے کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹایا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی جنگ آزادی کے قریب لانے کی کوشش کی۔ وہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کردینا چاہتے تھے۔ طرح طرح کے مظالم جو اس وقت ہندوستانیوں پر کئے جارہے تھے اس کے خلاف انہوں نے قوم کے دلوں میں اپنے کلام کے ذریعہ آزادی کا جذبہ جگایا انہیں آزادی سے محبت اور غلامی سے نفرت کرنے کا سلیقہ سکھایا نہ

صرف خود کو بلکہ تمام مجاہدین آزادی کو سامراجی چال سے بچنے کی ہدایت دی۔ وہ لکھتے ہیں:

اٹھائے گا کہاں تک جوتیاں سرمایہ داری کی
جو غیرت ہو تو بنیادیں ہلا دے شہریاری کی
گئے وہ دن کہ تو زنداں میں جب آنسو بہاتا تھا
ضرورت ہے قفس پر اب تجھے بجلی گرانے کی

جوش نے ہندوستانی عوام کے دلوں میں جذبۂ آزادی کی روح پھونک ڈالی۔ ان کے دلوں کو انگریزی حکومت کی غلامی سے آزاد ہونے کا حوصلہ بخشا یہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے ہم پیشہ (شاعر) افراد سے بھی اپنے ادبی سرمایہ میں انقلاب پیدا کرنے اور ہندوستان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کی گزارش کی۔ انگریزوں نے ہندوستانیوں پر جو ظلم و استبداد کئے وہ تاریک میں ہمیشہ یادگار رہیں گے حالانکہ ہندوستان کی آزادی کے جانباز سپاہی اپنے سینے پر گولیوں کو روکتے ہوئے میدان آزادی میں ڈٹے ہوئے تھے۔ ایسے حالات میں جگہ جگہ ہونے والا دنگا فساد آزادی کی راہ میں رکاوٹیں بن کر سامنے پیش آرہا تھا۔ اس وقت جوش نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے تمام ادیبوں سے اپیل کی کہ وہ ہندوستانیوں کو اس نئے خطرے سے آگاہ کریں اور انہیں ایک جٹ ہوکر رہنے کی تلقین کریں۔ خود ہندو اور مسلمان کو اس طرح مخاطب کیا:

توڑ اس جال کو جکڑے ہے جو بازو تیرے
بستۂ کشمکش سبحہ و زنار نہ بن
پست سے پست ہو جو چیز وہ بن جا لیکن
مر کے بھی جنس غلامی کا خریدار نہ بن

جوش ایک حساس دل رکھتے تھے انہیں اس وقت کے ہندوستان کی صورتِ حال کا پورا پورا پتہ تھا انہوں نے اپنے وطن کی خدمت میں جان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے اپنے وطن کی پکار کو محسوس کیا اور اس کے لئے اپنی پوری طاقت کا استعمال کیا نیز اپنی نظموں کو شرارہ کا پیرہن بخش کر لوگوں کے دلوں میں بٹھایا آزادی کے لئے انہوں نے جو قربانیاں پیش کیں انہیں نظموں میں بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن آزادی ملنے پر بھی لوگوں میں کوئی تبدیل رونما نہیں ہوئی نہیں۔ غربت و جہالت تنگ نظری بے رحمی اور بڑھ گئی لوگ اب مذہب تخت و تاج اور دولت و ثروت کے لئے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آرہے تھے ان سبھی کیفیات کو جوش نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہے:

اب بوئے گل نہ بادِ صبا مانگتے ہیں لوگ
وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

☆☆

کماں ہیں تیر حرب ہے مکیں میں شہر یار
خزاں کہیں گے پھر کسے اگر یہی بہار ہے

جوشؔ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستان کو سیاسی آزادی تو مل گئی لیکن انسانی ذہن و دل کو ابھی پوری طرح غلامی کی زنجیر جکڑے ہوئے ہے۔ یہ آزادی جوشؔ کی نظروں میں نامکمل تھی وہ ایک ایسی قوم کے خواہاں تھے جو دین و مذہب کے جھگڑے سے دور صرف انسان ہوں اور اس آزادی کو عوامی آزادی کو پیکر بخشا خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے جب تک یہ قوم دین و مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے لڑتے رہیں گے اس وقت تک ہندوستان ایک مکمل آزاد ہندوستان کی شکل نہیں اختیار کر سکتا۔ جوشؔ نے اپنی نظم ''ترانۂ آزادی وطن'' میں

اسی جانب اشارہ کیا ہے:

اٹھو کہ اس زمیں کو ہم آسماں بنائیں گے
عمارتوں کو پھونک کر عمارتوں کو ڈھائیں گے
نشیب کو ابھار کر فراز کو جھکائیں گے
سفینہ بحر نور میں غرور سے چلائیں گے
اگرچہ اپنے گرد و پیش آج موج نار ہے
بہار پھر بہار ہے، بہار پھر بہار ہے

جوشؔ ایک ایسے انسان ہیں جو خود کو انسانوں سے اوپر دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ ان کے ساتھ مل جل کر سارے واقعات و حالات کا مقابلہ کرنے کے خواہاں ہیں۔انہوں نے آزادی سے متعلق جتنی نظمیں ہیں وہ سب کی سب آزادیٔ وطن کے جذبے سے سرشار ہیں اور یہی نظمیں جوش کی شخصیت کو سنوارنے میں مددگار ہیں۔ انہوں نے آزادیٔ وطن کے لئے جونمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جوش کی انقلابی نظموں کا مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی جوش پر جذبات کا غلبہ طاری ہوجاتا ہے اور وہ جوش میں آجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی انقلابیت مجروح ہوجاتی ہے اور وہ ایک باغی شاعر کے روپ میں آکھڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال اردو شاعری کی دنیا میں جوش ممتاز مرتب کے حامل ہیں انہوں نے انسانیت کے لئے راہیں ہموار کیں اور حیوانیت کے خلاف اپنی نظموں کو بارود کا رنگ بخشا۔ ان کی شاعری کو محض کھوکھلی شاعری کہہ کہ ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد (ملک پیٹ)

لڑکیوں کی اعلیٰ دینی وعصری تعلیم کا فکری واصلاحی معیاری مرکز

شعبہ جات: تحفیظ القرآن الکریم ★ شعبہ ابتدائیہ (دوسال)
★ شعبہ عالمیت (چارسال) ★ شعبہ فضیلت (دوسال)

☆شہر سے اہم مقامات سے آمدورفت کی سہولت☆دور دراز کی طالبات کے لیے ہاسٹل کا نظم☆عثمانیہ یونیورسٹی سے میٹرک تا ایم۔اے امتحانات دلوانے کا نظم

لڑکیوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ، ادب، سیرت، تاریخ کے علاوہ انگریزی زبان کے اعدادیہ تا فضیلت چھ سال تعلیم کا بہترین نظم ہے

رابطے کے لیے پتہ:
JAMIATUL BANAT AL-ISLAHIYAH
#16-3-993/1, NEAR DAWN HIGH SCOOL
OFFICERS COLONY, NEW MALAKPET,
HYDERABAD(T.S) INDIA 500036

نصب العین: انقلاب بذریعہ تعلیم قرآن وسنت کی گہری بصیرت، شہادت حق، احیائے دین کی استعداد اور امت کے لیے داعیانہ، مجاہدانہ اور قائدانہ کردار کی حامل "المرأۃ الصالحۃ" ٹیم کی تیاری۔
☆شعبہ تحفیظ القرآن اور شعبہ ابتدائیہ وعالیت کے پہلے سال میں داخلے سال بھر جاری رہیں گے۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے خواہشمند سرپرست حضرات سے اپنی لڑکیوں کے ہمراہ جلد رجوع ہونے کی خواہش کی جاتی ہے۔

جامعۃ البنات الاصلاحیۃ حیدرآباد کا استحکام وقت کا اہم تقاضہ اور ملی فریضہ ہے۔اس اہم مرکز کی تعمیر وترقی ک لیے مالی اور اخلاقی تعاون فرما کر ہمارے حوصلے کو قائم رکھیں۔

ناظم: مولانا عبدالعلیم اصلاحی
موبائل: 9676202819

علیم صبا نویدی۔چنئی

تامل ناڈو کے عربی مدارس کی اردو خدمات

شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ پر فتح حاصل کی اس کے بعد اس کے سپہ سالار ذوالفقار علی خان نصرت جنگ نے جنوبی ہند کے مختلف علاقوں یعنی مدوری، آرکاٹ، نتھر مگر، ویلور سیلم اور کوئمبتور پر اورنگ زیب عالمگیر کا پرچم لہرایا اور نصرت جنگ کے بعد نواب سعادت اللہ خان (۱۷۱۰۔۱۷۳۲) نے کرناٹک کے ان علاقوں پر حکومت کی۔ اس دور میں دینِ حق کو وسعت کشادگی بخشنے میں اور اسلام کی پر جوش تبلیغ کو اپنی زندگی کا مطمع نظر بنانے میں جن بزرگانِ دین نے اہم کردار ادا کیا ہے، ان کے نام تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ جو کام بندوق اور تلوار کے زور پر سرانجام نہیں پا سکتا تھا اس کام کو درویش صفت اہل اللہ نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اور اپنے نیک اعمال سے تکمیل تک پہنچایا۔

دور اہل نائط (۱۷۱۰ء۔۱۷۴۲ء) میں حصولِ تعلیم کے لئے علمائے کرام نے اپنے اپنے گھروں میں چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم کر لئے تھے۔ جہاں عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر، فقہ، اصول، فلسفہ، کلام، عقائد، منطق اور تصوّف پر زیادہ توجہ دی گئی۔ اس زمانہ میں اکثر و بیشتر لوگوں کی مادری زبان دکھنی تھی۔

نواب انورالدین خان (المتوفی ۱۷۴۹ء) کو پاموی کے بعد نواب محمد علی والا جاہ (المونی ۔) کے دور کو علم و ادب کا زرین دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ نواب موصوف کی اقرباء پروری، علمی قدردانی اور ادبی سرپرستی نے نہ صرف جنوبی ہند کے بلکہ شمالی ہند کے علماء وفضلا اور شعراء وادباء کا دل موہ لیا تھا اور انھیں خطاب و منصب سے سرفراز فرمایا تھا۔ مولانا محمد فخرالدین بے خود مہکری، مولانا سید شاہ ابوالحسن قربی دیلوری، مولانا امین الدین احمد خان، مولانا سید شاہ عبدالقادر مہربان فخرمی، مولانا ولیا اللہ نتھر نگری، مولانا امیرالدین علی، میر اسماعیل خان ابجدی، مولانا مولوی مرزا علی بیگ خان اظفری، حضرت العلام عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی اور مولانا محمد باقر آگاہ دیلوری نے اپنی اپنی درسی مسند گاہوں سے علم وفضل اور درس وتدریس کی نورانی روشنی دور دور تک پھیلائی، جس کی مقدس کرنیں آج بھی ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ ان علماء اور صوفیاء نے اسلام کی گرتی ہوئی دیواروں کو اپنی علمی خدمات سے سنبھالا ہے۔ غالباً ۱۷۹۴ء میں مولانا بحرالعلوم فرنگی محلی کی آمد کے بعد نواب والا جاہ نے مدرسہ کلاں کی بنیاد رکھی تھی اور اس مدرسہ کی علمی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مدارس کے اکثر مقامات میں بہت سارے دینی مدرسے مثلاً مدرسہ باقیات صالحات، مدرسہ لطیفیہ، مدرسہ سعیدیہ، مدرسہ محمدی، مدرسہ معدن العلوم، مدرسہ جمالیہ، مدرسہ منبع الانوار اور جامعہ دارالسلام قائم ہوئے۔ ان میں سے اکثر مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ان مدارس کے زیرِ سایہ اردو زبان وادب نے آفاقی اور نورانی سرحدیں طے کی ہیں۔

تمل ناڈو کے چند اہم عربی مدارس کا اب یہاں مختصر ذکر کر رہا ہوں۔

دارالعلوم لطیفیہ: دارالعلوم لطیفیہ (حضرت مکان ویلور) اس مدرسہ کی بنیاد ۱۱۴۰ھ ۱۷۲۷ء اور ۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء کے درمیانی عرصے میں حضرت مولانا عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی۔ اس کے بعد مختلف ادوار میں آپ کی اولاد امجاد کے ذریعہ اس کی توسیع ہوئی۔ حضرت مولانا ابوالحسن قربی قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۱۷۹ھ میں خانقاہ تعمیر فرمائی جس کے متعلق حضرت باقر دیلوری تاریخ قطعہ نکالا ؎

اے خانقاہِ نو کہ دہد شرح صدور
دل تازہ کند برنگ کعبہ زسرور
گفتند ملک بہ چرخ کایں قبہ نور
والطّور سینین لبیت العمور

بقول مولوی حافظ ابوالنعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری ادھونی۔ یہ خانقاہ صرف صوفیانہ سلوک تربیت گاہ نہ تھی بلکہ اس عہد کے مزاج اور ماحول کی مناسبت سے قرآن وحدیث کی درسگاہ علوم وفنون کا دارالعلوم مصالح عوام اور فقہی مسائل کے لیے دارالافتاء دعوت وتبلیغ کے لیے افراد سازی کا قلعہ اور شعروسخن کی بزم تھی۔

حضرت مولانا غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری دیلوری نے ایک دارالاقامہ کی بنیاد ڈالی اور حضرت مولانا شاہ ابوالحسن محوی قادری دیلوری نے ایک عالیشان عمارت تعمیر فرمائی جس کا تذکرہ حضرت مولانا عبدالحئی واعظ بنگلوری نے اپنی منظوم کتاب مثنوی مطلع النور میں کیا ہے۔

مجدد جنوب علامہ شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف المعروف بہ قطب ویلور نے دارالعلوم لطیفیہ کو ایک دعوت وتحریک کا روپ دیا۔ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری نے ندوۃ العلماء کی تحریک کی نصرت وحمایت میں قدم اٹھایا۔ مولانا موصوف نے دارالعلوم لطیفیہ کی نشاۃ ثانیہ فرمائی۔ مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری ویلوری اور حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ویلوری اور خانوادہ حضرت مکان کے دیگر اکابرین نے اس مدرسہ کو علم دین کے ساتھ دیگر علوم وفنون کا بھی ایک عظیم مرکز بنادیا۔ یہ اکابرین خود بھی اپنے اپنے دور کے جید عالم، ادیب اور شاعر تھے اور اپنے وابستگان دامن کو بھی علم وادب کا سرچشمہ بنا کر چھوڑا۔ اردوادب کے عظیم ستون حضرت باقر آگاہ ویلوری سیدہ شاہ عبدالغفار قادری چشتی مسکین، حضرت علامہ شاکر نائطی، حضرت ابوالحئی واعظ بنگلوری اور کئی دوسرے شعراء ادباء اس منبع نور سے اکتساب نور کرتے رہے، حضرت مکان سے براہ راست نہ سہی بالواسطہ اکتساب نور کرنے والوں میں مولانا اسمٰعیل رفیعی، حضرت دانش فرازی، جناب کاوش بدری، جناب راز امتیاز، نثار بھارتی اور دوسرے کئی ممتاز شعراء ادباء کے نام لے سکتے ہیں۔

دارالعلوم لطیفیہ میں تصنیف وتالیف کی اشاعت کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ مخطوطات پر بھی تحقیقی کام ہوتا ہے۔ دارالعلوم سے سالنامہ اللطیف کا اجراء بھی ہوا تقریباً ۲۳رسال سے باقاعدہ شائع ہورہا ہے۔ اس سالنامہ کے ذریعہ علوم دین کے ساتھ شعروادب کی بھی نمایاں خدمت انجام ہوتی رہی ہے۔

الباقیات الصالحات

بقول حضرت مولانا محمد جعفر حسین فیضی صدیقی باقوی

۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء کے غدر نے اسلام اور مسلمانوں کو نہایت عظیم نقصان پہنچایا۔ انگریزوں نے اسلام کے استحصال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ اس کا قلع قمع ہوکر رہ گیا۔ سرزمین ہند میں اسلامی سلطنت کا پرچم سرنگوں

ہوگیا۔ جہاں اسلامی شان وشوکت کا طوطی بول رہا تھا۔ وہاں ان کھنڈرات پر سامراجی الو بولنے لگا تھا۔ جہاں اسلامی جاہ وجلال کے نقارے بج رہے تھے۔ وہاں سامراجی اقتدار کے تازیانے بجنے لگے تھے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کا دیوالہ نکل چکا تھا اور علماء دین کا قحط الرجال تھا اسلامی دنیا منتظر تھی مرد از غیب بیروں آید وکارے بکند۔

ایسے بحرانی دور میں چند راسخ الاعتقادی علمائے صالح اپنی بے پناہ حوصلہ مندی اور مستقل عزمی سے اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جا بہ جا دین کی اشاعت کرنا اور اپنے اپنے گھروں میں دینی تعلیم دینا شروع کی۔ اس وقت ہر مقتدر عام کا گھر دینی درسگاہ تھا۔ بعد کو انہوں نے اپنے اپنے طور پر مختلف علاقوں میں دینی مدارس قائم کئے جو اسلام کی بقاء سرخروئی میں آہنی قلعو کا کام دے رہے ہیں۔

انہیں بزرگوں میں سے ایک زبدۃ الاولیاء فہامنہ دوراں شمس العلماء اعلی حضرت عبدالوہاب شاہ قادری قدس سرہ العزیز تھے۔ جنہوں نے جنوبی ہند میں مادر علمی مدرسہ الباقیات الصالحات ویلور کی بنیاد رکھی جس کی عمر آج بفضلہٖ تعالیٰ ایک صدی سے زیادہ ہوگئی ہے۔

اس مدرسہ کو ام المدارس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ اس کے فیضان سے جنوبی ہندوستان کے مختلف مقامات میں کئی عربی مدارس قائم ہوئے۔ باقیات کی شہر ہندوستان سے نکل کر بیرونی علاقوں مثلاً مالدیپ، جاوا، سماٹرا، سنگاپور وغیرہ میں بھی پہنچی جہاں کثیر تعداد میں طلباء تحصیل علم کے لیے آنے لگے ہزاروں فرزندان باقیات آج بھی دنیا کے گوشے گوشے میں علم اور دین کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس سے فیضان حاصل کرنے اور اردو زبان وداب کی خدمات کرنے اولی بعض ممتاز شخصیتیں حسب ذیل ہیں۔

مولانا حبیب اللہ ندوی، مولانا عبدالسلام کمالی ویلوری، مولانا سید عبدالجبار صاحب، مولانا نثار احمد فدوی باقوی، حضرت مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی، ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی، مولانا عبدالمجید خطیب باقوی، مولانا حافظ باقوی، مولانا اشرف علی اشرف سعوی، مولانا ظہیر احمد راہی فدائی، مولانا سید ابراہیم، مولانا نور احمد بیگ باقوی، مولانا سید عنایت اللہ باقوی وغیرہم۔

خاص طور پر اردو زبان وادب کی خدمت کے لیے اس مدرسہ نے انجمن ترقی اردو کی (اس انجمن کا دہلی کی انجمن سے کوئی تعلق نہیں ہے) بنیاد رکھی اور اس انجمن کے زیر اہتمام ایک سالنامہ سفیر کا اجراء بھی عمل میں آیا جو آج بھی نظیر کے نام سے (زیر اہتمام ابنائے باقیات صالحات ویلور) باقاعدہ شائع ہو رہا ہے اس انجمن کے تحت وقتاً وفقتاً ادبی اور شعری محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ اسی مدرسہ کے دارالاشاعت سے مندرجہ ذیل کتابیں منظر عام پر آئیں۔

(۱) مجدد جنوب۔ مؤلف مولانا فدوی باقوی
(۲) الباقیات صد سالہ نمبر
(۳) نئی کلیاں (بچوں کے لیے) مصنف مولانا حافظ باقوی
(۴) حیات ترمذی۔ مؤلف مولانا محمد حسین باقوی مدنی

ادارہ سفیر کی جانب سے جو کتابیں منصۂ شہود پر آئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) باقیات ایک جہاں۔ مؤلف مولانا ظہیر احمد راہی فدائی
(۲) تصنیف (شعری مجوعہ) مصنف مولانا ظہیر احمد راہی فدائی

(۳) انامل (شعری مجموعہ) مصنف مولانا ظہیر احمد راہی فدائی

(۴) جان پدر۔ مؤلف مولانا سید شاہ عبد الجبار قادری باقوی

(۵) عبرت ونصیحت (جلد اول اور دوم) مؤلف مولانا جعفر حسین فیضی صدیقی

(۶) مضامین تفسیر۔ مولانا سید شاہ عبد الجبار قادری باقوی

(۷) تفسیر ام الکتاب۔ مولانا سید شاہ عبد الجبار قادری باقوی

(۸) اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ۔ مولانا سید شاہ عبد الجبار قادری باقوی

مدرسہ منبع الانوار ۱۸۶۴ء۔۱۲۸۱ھ میں لال پیٹ جنوبی آرکاٹ میں یہ عربی مدرسہ قائم ہوا، اس مدرسہ کا اہم مقصد یہ تھا کہ تمل ناڈو کے تمل زبان بولنے والے مسلمانوں کو تمل زبان کے ذریعہ عربی زبان اور قرآنی تعلیم سے واقف کرانا تھا۔ مولانا ضیاء الدین امانی پلی گنڈوی (المتوفی ۱۹۶۷ء) اس مدرسہ کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ آج بھی جاری ہے۔ اس مدرسہ کے زیر سایہ مولانا امانی کے دور میں اردو کا شعر وادب پروان چڑھتا رہا۔

مدرسہ معدن العلوم اور **مدرسہ مفید عام** اس مدرسہ کی بنیاد ۱۸۸۷ء۔۱۳۰۴ھ میں وانمباڑی میں عربی فارسی اردو علوم کے فروغ کے لیے رکھی گئی۔ مولانا مولوی محمد صادق اس مدرسہ کے پہلے پرنسپل ۱۸۸۸ء۔۱۳۰۵ھ میں مقرر ہوئے۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔

اس مدرسہ سے فیض یاب ہونے والوں کی فہرست کافی طویل ہے۔ بحیثیت مجموعی اس مدرسہ کی اردو خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔

احمد علی برقی اعظمی ۔ دہلی

سرسید کو خراج عقیدت

قوم کے رہنما تھے سرسید
فخر دانشوراں تھے سرسید
خود میں اک انجمن تھی ان کی ذات
شمعِ اردو زباں تھے سرسید
جس سے ہے ضوفشاں جہانِ ادب
ایسی اک کہکشاں تھے سرسید
پھونک کر روحِ زندگی اس میں
جسمِ ملت کی جاں تھے سرسید
وہ علی گڑھ ہو یا کہ غازیپور
ان کی روحِ رواں تھے سرسید
ہے رواں ان کا ''چشمۂ رحمت''
ایک مدت جہاں تھے سرسید
اب بھی ہے جو رواں دواں ہرسو
ایسا اک کارواں تھے سرسید
ان کو مانیں نہ مانیں بھارت رتن
شانِ ہندوستاں تھے سرسید
ویسے ہی ضوفشاں ہیں وہ برقیؔ
جس طرح ضوفشاں تھے سرسید

ناولٹ (قسط:۴)

سیدہ زہرا جبین-حیدرآباد

تقدیر میں ہو تو...

"ہاں! شادی کی جو تیاری چل رہی ہے". عروج بھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر اسے چھیڑ رہی تھی . اس نے عروج پر ایک کڑی نظر ڈالی، جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا . اب وہ وہاں سے اٹھنا چاہتی تھی .

"میں ذرا دیکھتی ہوں ممی کدھر ہے". کہہ کر وہ اٹھنے لگی تو عروج بھی اس کے ساتھ اٹھ گئی" . میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ . دیر ہو رہی ہے آنٹی سے اجازت لیکر نکلتی ہوں". وہ اس کے پیچھے چل دی.

وہ ممی سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی جانا چاہتی تھی . ممی کو ڈھونڈتی ہوئی حال عبور کر کے لان کی طرف بڑھ رہی تھی کی دروازے کے پاس مدھم روشنی میں اسے ثانیہ نظر آ گئی . کچھ فاصلے پر کھڑی وہ مسکرا رہی تھی" . ادھر اندھیرے میں کیا کر رہی ہو؟ ادھر آؤ". اس نے ثانیہ کو آواز دی . اس کے بائیں جانب ایک اور وجود تھا جو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا تھا . اس نے ثانیہ سے کچھ کہا شاید جو یہ دونوں سن نہیں سکیں وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنسنے لگی . ہنستے ہوئے اس نے ان کی طرف پیش قدمی کی . ایک دوسرا وجود بھی ان کی طرف بڑھ رہا تھا.

جیسے ہی وہ لوگ کچھ روشنی میں آئے، سنایا اسے دیکھے چلی گئی . سیاہ سوٹ میں ملبوس وہ اس کے سامنے تھا . لبوں پر وہی مچلتی دل کو موہ لینے والی مسکراہٹ سجائے، کافی متاثر کن پرسنالٹی کا مالک . وہی تو تھا وہ . اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا.

''باجی یہ ریان بھائی ہیں . آج کے مہمان خصوصی".' ثانیہ نے اپنی چہکتی ہوئی آواز میں تعارف کرایا. سنایا جیسے پلکیں جھپکانا بھول گئی.

" کیوں ہیں نا ایک دم ڈیشنگ؟"اسے مزید ریان کی طرف دیکھتا پا کر ثانیہ نے سرگوشی کی.

"السّلام علیکم" ریان نے خاموشی توڑی . سنایا نے بمشکل جواب دیا.

"باجی کو تو آپ نے اس دن شادی میں دیکھ لیا تھا. اب ان سے ملیں یہ ہیں عروج، باجی کی پکی سہیلی". اتنے میں ریان کا موبائل بجنے لگا اور وہ ایکسکیوز کرتا ہوا واپس مردانے کی طرف بڑھ گیا.

"ممی کدھر ہیں؟"اس نے ثانیہ سے پوچھا.

"چلیں ادھر ہی ہیں ."وہ ہاتھ کے اشارے سے بتا کر ساتھ چلنے لگی.

ممی کے ساتھ ایک خاتون اور ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں . سنایا اور عروج نے سلام کیا انہوں نے مسکرا کر جواب دیا . اس لڑکی نے بہت ہی گرم جوشی سے آگے بڑھ کر مصافح کیا.

"آنٹی میں اب چلونگی". عروج نے سنایا کی ممی کے قریب جا کر کہا .

"ایسے کیسے جاؤ گی . پہلے کچھ کھالو . میں انتظام کرتی ہوں" کہہ کر وہ اٹھنے لگیں .

"میں بھی چلتی ہوں آپ کے ساتھ". عروج کو وہاں رکنا مناسب نہیں لگ رہا تھا.

"سنایا بیٹا آپ ادھر بیٹھو آنٹی کو اور ردا کو کمپنی دو میں آتی ہوں ". وہ ان لوگوں سے ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگی . کچھ ہی دیر میں کھانا لگ گیا . کھانے سے فارغ ہو کر عروج ساحل کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی . سب ہی لوگ حال میں بیٹھ گئے . ریان کو باقاعدہ مردانے سے بلایا گیا تھا کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں . ثانیہ اور ردا اسے لینے چلی گئیں.

"ردا آپی جانتی ہیں آپ کچھ ہی دیر پہلے میں نے ان دونوں کی ملاقات کروادی تھی". اس نے لان والا قصہ اسے سنایا . وہ ہنسنے لگی.

حال میں داخل ہوتے ہی ریان نے بڑی قرأت سے سلام کیا . اونچا لمبا قد، چوڑے شانے، جگمگاتی آنکھیں اور لبوں پر مچلتی مسکراہٹ لئے وہ ممی کو متاثر کر گیا . ممی کے ساتھ بیٹھا وہ ان سے باتیں کر رہا تھا پر نظریں سامنے صوفے پر بیٹھی سنایا پر تھیں.

"بھائی! آنٹی ادھر ہیں، آپ کے ساتھ " . ردا نے شرارت سے کہا تو سب ہنس پڑے اور ریان کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی . سنایا اپنا پہلو بدل کر رہ گئی.

دوسرے دن وہ ناشتے پر نہیں آئی . ممی اسے بلانے چلی آیئں، وہ بیڈ پر لیٹی تھی.

" کیا ہوا ناشتہ نہیں کرنا"؟ اسے یونہی لیٹا دیکھ ممی نے پوچھا.

" مجھے بھوک نہیں ہے "اس نے ممی کی طرف دیکھے بنا جواب دیا.

" کیوں نہیں ہے بھوک؟" وہ آ کر بیڈ پر بیٹھ گئی.

" آپ لوگوں کو میری شادی کی اتنی جلدی کیوں ہے؟" اس نے اپنا سر ممی کی گود میں رکھ دیا.

" گھر بیٹھے اگر ایک اچھا رشتہ آجائے تو ہمیں تو غور کرنا ہی تھا" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھرتے ہوئے کہنے لگیں.

" لیکن ممی"... وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کی انہوں نے بیٹی کو ٹوک دیا.

" یہ صبح صبح کیا سوال جواب لیکر بیٹھ گئی؟ اب چلو سب ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں تمہارا". ممی اسے اپنی گود سے اٹھانے لگی.

عروج چلی آئی، اس دن اچانک ریان کو دیکھ کر بہت حیران ہی تھی". تو کب انوائٹ کر رہی ہو؟" اس نے آتے ہی سوال کیا . سنایا ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی.

" تمہاری شادی میں". وہ لاپرواہی سے بولی.

" میں خود پریشان ہوں کی یہ سب ہو کیا رہا ہے".

" کیسا عجیب اتفاق ہے نہ . تمہارے پاپا اور ریان بھائی کے پاپا کی ملاقات ہونا". وہ تعجب کر رہی تھی.

" تم نہیں جانتی مجھے کتنا شوک لگا اس دن ریان کو دیکھ کر . اور اس پر اس کی طنزیہ مسکراہٹ جیسے کہہ رہا ہو 'تم نے تو مجھے ٹھکرا دیا تھا، اب کیا کروگی؟' مجھے تو لگتا ہے اس نے جان بوجھ کر رشتہ بھیجا ہے". سنایا اپنی ہی دھن میں تھی.

" مجھے تو یہ سب تقدیر کا کھیل لگتا ہے . تم سمجھ کر بھی انجان بن رہی ہو". عروج کی بات پر سنایا نے برا سا منہ بنایا .

" ویسے ثانیہ کو سب پتا ہوگا اس بارے میں . میں تو سب جاننا چاہتی ہوں، ذرا اسے بلاؤ گی؟" وہ بے چین ہو رہی تھی اصل بات جاننے کے لئے.

" وہ مجھے کچھ نہیں بتانے والی ." سنایا نے کہا.

" جانتی ہوں . تم آواز تو دو میں بات کرونگی".

" ثانیہ! ادھر آنا ذرا، عروج تم سے ملنا چاہتی ہے". اس نے گلا پھاڑا . دو تین آوازوں کے بعد ثانیہ آ گئی.

" کیوں بھئی ہم سے تو بات کرتی ہی نہیں ہو، اس دن اپنے جیجا جی سے تو بہت باتیں کر رہی تھیں". عروج نے اسے پاس بٹھاتے ہوئے کہا.

" آپ لوگوں کو ایک دوسرے سے فرصت کہاں ملتی ہے جو میں آجاؤں". ثانیہ کب چپ رہنے والی تھی.

"باتیں تو خوب کرنے لگی ہو . ریان بھائی سے بھی کرتی ہو؟" وہ اسے کریدرہی تھی.

"ہاں! اتنے اچھے تو ہیں وہ . کل فون پر بات ہوئی تھی .باجی سے بات کرنا چاہتے تھے . نمبر مانگ رہے تھے باجی کا". اس کی بات پر سنایا چونک گئی.

" کوئی ضرورت نہیں ہیں میرا نمبر دینے کی" سنایا نے جل کر کہا.

"میں نے نہیں دیا آپ کا نمبر تو کہنے لگے کی ان کا نمبر آپ تک پہنچادوں . میں نے بھی کہہ دیا کہ آپ کا کام کرونگی کو کچھ انعام بھی لونگی، وہ مان گئی اور"...

" کتنی ندیدی ہوگئی ہو . کیا ضرورت تھی کچھ مانگنے کی؟" اس کی بات مکمّل نہیں ہوئی تھی کہ سنایا نے اسے گھڑ کا.

"اب اگر دو ہزار کا نوٹ بھی میرے ہاتھ میں رکھوگی نا۔تو بھی ان کا نمبر نہیں دونگی". ثانیہ کو طیش آیا.

"ارے یار اسے کیوں بات کر رہی ہو . ہم سے بات کرو . وہ تو ہے ہی ایسی". بات بگڑتی دیکھ عروج نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا.

"تمہاری طرح مجھے بھی ریان بھائی بہت پسند آئے . پر کیا ان لوگوں کو ہماری سنایا پسند آئی ہوگی؟"

"باجی تو ان لوگوں کو پہلے ہی پسند تھیں . کچھ دن بعد منگنی کرنے آئیں گے". وہ خوشی سے کہنے لگی.

"پر یہ رشتہ آیا کیسے؟" اس نے مدعا بیان کیا.

"ہم شادی میں گئے تھے نا، تب ردا باجی اور آنٹی نے سنایا کو میرا مطلب ہے باجی کو دیکھا تھا . گھر جاکر ان لوگوں نے ریان بھائی سے ذکر کیا، پر ریان بھائی نے صاف انکار کر دیا کی ابھی وہ سیٹل نہیں ہوئے ہیں . ولیمہ والے دن ردا باجی نے زبردستی انہیں زنان خانے میں بلاکر دور سے باجی کو بتایا . ریان بھائی نے ایک نظر میں ہی ہاں کردی جسے ہماری باجی بیخبر تھیں". اس نے تفصیل سے ساری بات بتادی.

"اور اس کے بعد کیا ہوا وہ تو آپ جانتی ہی ہیں". وہ مزے سے بیڈ پر بیٹھی پیر ہلاتی ہوئی بول رہی تھی.

"اف! کتنی باتیں کرتی ہو، تمہارا منہ درد نہیں کرتا؟" سنایا نہ جانے کس بات کا غصّہ ثانیہ پر نکال رہی تھی.

"میرا بولنا اتنا برا لگتا ہے تو مجھے بلایا ہی کیوں؟" وہ ناراض ہوکر پیر پٹختی چلی گئی.

" کیوں ڈانٹا اسے؟" عروج نے گھورا.

"اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو اپنے گھر لے جاؤ". وہ جل کر کہنے لگی.

"تم آخر کس بات پر ناراض ہو؟ چاہتی کیا ہو تم؟ وہ جو تمہارے ساتھ محض وقت گزاری کر رہا تھا وہ تو تمہیں بہت اچھا لگ رہا ہے . اور جو ریان بھائی اتنے سالوں بعد بھی تم سے پیار کرتے ہیں اور باقاعدہ شادی کرنا چاہتے ہیں یہ تمہارے لئے ناگوار گزر رہا ہے؟ اور تو دیکھو ان کی فیملی نے بھی بیخبری میں ان کے لئے وہی لڑکی پسند کی جو انہوں نے سالوں پہلے خود پسند کی تھی". کہہ کر وہ رکی اور پھر کچھ سوچ کر مسکرادی.

"ویسے کچھ دن پہلے تم نے ریان بھائی کو یاد کیا تھا، سچے دل سے ہی یاد کیا ہوگا جو وہ یوں اچانک تمہارے سامنے آگئے" وہ اسے چھیڑ رہی تھی.

"چپ کر" سنایا نے اس کی لمبی چوٹی کھینچی.

"شاید تم دونوں کو ایک دوسرے سے سچی محبت ہے جو یوں اتنے سال بعد تم نے انھیں یاد کیا اور وہ باقاعدہ شادی کا پروپوزل لیکر آگئے ۔وہ کیا کہتے ہیں...ہاں ...دل سے دل کو راہ ہوتی ہے"... وہ اس کی ناراضگی کو خاطر میں لائے بنا کہہ رہی تھی.

"بند کر اپنی یہ بکواس ۔یہ جو مرد ہوتے ہیں نہ انھیں کوئی سچی محبت نہیں ہوتی ۔ریان مجھے نیچا دکھانا چاہتا ہے، میں اسے کامیاب نہیں ہونے دونگی". سنایا کے دماغ میں کچھ چل رہا تھا.

"تمہاری دوست ہوں اس لیے تمہارا بھلا چاہتی ہوں ...ویسے بھی تمھیں اپنے اس چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں ہیں ۔ہونا وہی ہے جو ان کی آنٹی نے چاہنا ہے". وہ اپنی شہادت کی انگلی سنایا کی کنپٹی پر رکھے ناک چڑھا کر بول پڑی.

"ایسا نہیں ہوگا ۔میں ریان کو دانش کے بارے میں بتادونگی، پھر دیکھنا یہ پروپوزل جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا جائیگا". سنایا نے ہنس کر کہا.

"اور جو آپ کے گھر والوں کی انسلٹ ہوگی اس کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟"وہ طنزیہ بول پڑی.

"میں اسے اس کی محبت کا واسطہ دونگی کی وہ یہ بات کسی سے نہ کہے ۔ بلکی یہ کہہ دے کہ اسے میں پسند نہیں آئی". اس نے اپنا منصوبہ بتایا.

"واہ! یقین نہیں ہوتا یہ میری وہی معصوم دوست ہے". وہ اسے بغور دیکھنے لگی.

"اس پلان میں میرے ساتھ کی امید بالکل مت رکھنا". عروج ایک نظر غصے بھری اس پر ڈال کر چلی گئی.

رات کو بہت مشکل سے اس نے ثانیہ کو منایا تھا ریان کے موبائل نمبر کے لئے ۔جب سب سو گئے، اس نے ریان کو فون کیا.

"السلام علیکم" ریان نے دو تین بیل پر ہی فون اٹھالیا.

"وعلیکم السلام"اس کی آواز پر سنایا کے دل میں کچھ خیال آیا پر اس نے سر جھٹک دیا.

"میں ...سنایا بول رہی ہوں". اس نے تعارف کرایا.

"جی بولیں"وہ جیسے اسی کے فون کا منتظر تھا.

"دراصل میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں". اس نے صاف صاف بات کرنے میں بہتری سمجھی.

"ضرور ملیں ۔ کب اور کدھر ملنا ہے یہ تو بولیں". وہ بہت ہی نارمل انداز میں بات کر رہا تھا ۔" کل فارغ ہونگے آپ؟ دوپہر ایک بجے کے قریب، آئس کریم پارلر' آسکتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے کل ملاقات ہوگی". وہ راضی ہوگیا.

"خداحافظ"سنایا نے فون بند کردیا .

"ممی ذرا میں عروج کے گھر چلی جاؤں؟"اگلے دن سنایا عروج کے گھر کا بہانہ کرتی ہوئی ریان سے ملنے جارہی تھی.

"خیریت تو ہے؟ کل ہی تو آئی تھی نہ وہ؟" ممی نے پوچھا۔

"ہاں بہت دنوں سے اس کی امی یاد کر رہی ہیں ۔ تو میں چلی جاؤں؟"اس نے اجازت چاہی.

"ٹھیک ہے جلدی آنا". ممی نے اجازت دیدی.

پارلر میں جاتے ہی اسے وہ نظر آگیا ۔اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہا. وہ چپ چاپ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی.

"پہلے آئسکریم کھاتے ہیں پھر بات کرینگے" وہ جا کر دونوں کے لئے آئسکریم لے آیا.

"ہاں تو کچھ بات کرنی تھی نہ آپ کو؟" وہ ایک ہاتھ ٹیبل پر اور دوسرا ہاتھ اپنے چہرے پر رکھے اسے دریافت کر رہا تھا.

"جی میں ...میں ... کچھ بتانا چاہتی تھی آپ کو"... وہ پسینے سے تر ہوتی ہتھیلیاں ٹشو سے صاف کرتی ہوئی اٹک اٹک کر بات کر رہی تھی.

"بولیں میں سن رہا ہوں". وہ دلچسپی سے اسے دیکھے جا رہا تھا.

"ہائے! اتنا مشکل تو نہیں لگ رہا تھا جب گھر سے نکلی تھی . عروج ہی ساتھ آجاتی . یہ تو پوری طرح سے مجھے نروس کر رہا ہے". وہ سوچ میں پڑھ گئی.

"بولو سنایا ... ویسے مجھے بھی تم سے کچھ بات کرنی ہے" وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا.

"پہلے میری بات سن لیں" وہ ایک دم بول پڑی. اگر وہ بات شروع کرتا تو پتا نہیں اسے اپنی بات کرنے کا موقع ملتا بھی یا نہیں . ممی نے پہلے ہی جلدی آنے کے لئے کہا تھا. جواباً وہ مسکرا دیا.

"دیکھئے میں جو بات کہنے جا رہی ہوں شاید وہ آپ کو بہت ناگوار گزرے پر کیونکی آپ مجھ سے شادی کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ کو میرے بارے میں جاننا ضروری ہے".

"یہ بات صرف عروج جانتی تھی پر آج کے بعد آپ بھی جان جائینگے ... میں دانش نام کے ایک لڑکے سے پیار کرتی ہوں . ہماری ملاقات اتفاقاً فیس بک پر ہوئی تھی".

اس نے ریان کو اپنے اور دانش کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اچانک ہی اس نے اس کے سارے خواب چکنا چور کر دئے .

ظہورا حمد ظہیرآبادی-حیدرآباد

غزل

برائے حالاتِ حاضرہ

رکھیں سب فاصلہ آپس میں یہ سب کو بتانا ہے
کہ خود بچنا ہے اور سب کو، کورونا سے بچانا ہے
وبا بھیجی ہے کچھ ایسی کہ حیرت میں زمانہ ہے
ہمارے صبر کو شاید خدانے آزمانا ہے
رہیں گھر میں، عبادت بھی کریں اور پھر دعا مانگیں
خدا ناراض ہے شاید خدا کو اب منانا ہے
سزا ہے یہ ہمارے ہی غلط اعمال کی لوگو
ہمارے واسطے گھر بھی ہمارا قید خانہ ہے
ہے یہ اللہ کا فرمان بھی قرآن میں واضح
پڑوسی ہے اگر بھوکا اسے کھانا کھلانا
ضرورت مند کی مل کر مدد کرنا بھی ہے لازم
کہ مل جل کر برے اس وقت کو ہم ہی ہرانا ہے
ظہورؔ اک یہ بھی فرمانِ نبیؐ ہے گر، وبا پھیلے
جہاں پر ہیں وہیں رہئے کہیں آنا نہ جانا ہے

ولی محمد زاھدؔ ھریانوی

آہ! حضرت مفتی عبداللہ مظاہری رویدروی

ویسے تو ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے کتنے ہی لوگ ہماری نظروں کے سامنے آئے اور چلے گئے، جن کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی خدمات خود اُن کو زندہ رکھتی ہیں میں ذکر کر رہا ہوں ایسی ہی ایک عظیم شخصیت حضرت مفتی عبداللہ مظاہری رویدروی کا جن کے بچھڑنے سے آج نہ صرف گجرات، مہاراشٹرا، ومیوات بلکہ پوری ملت اسلامیہ غم میں ڈوبی ہوئی ہے اور کیوں نہ ہو مثل مشہور ہے۔ایک عالم کی موت ایک عالَم کی موت ہے، اُن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس مہاماری کورونا کے دور میں بھی تمام پابندیوں کو در کنار کر کے ہزاروں لوگ ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے امنڈ پڑے۔
تقریباً 6 ہزار لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ ایک ساتھ ادا کی جس میں اکثریت علماء کرام کی تھی، یہ خود آپ کی عظمت کا کھلا اعتراف ہے۔اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ علماء کرام اور عوام کے دلوں پر کس قدر چھائے ہوئے تھے، حضرت مفتی عبداللہ ہندوستان کی مایۂ ناز دینی درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور یوپی کے فاضل تھے، شیخ الحدیث حضرت مفتی یونس ؒ صاحب جونپوری کے خلیفۂ مجاز اور حضرت قاری سید صدیق ؒ احمد باندوی ہتھورا کے خلیفۂ مجاز بھی تھے۔مظاہر سے فراغت کے بعد فلاح دارین ترکیسر گجرات میں تدریسی خدمات انجام دے کر اپنی صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے ملت میں نہ صرف اپنی پہچان بنائی بلکہ علماء اور عوام کے دلوں پر چھا گئے اور پھر 1984ء میں اپنے شیخ سے کئے گئے عہد و پیمان کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی بھر پور صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ضلع بھروچ انکلیشور کے قریب ایک چھوٹے سے غیر معروف گاؤں ہانسوٹ میں تقریباً 23 ایکڑ اراضی پر ایک عظیم دینی درسگاہ جامعہ مظہرِ سعادت قائم کر کے اس کو بلند مقام تک پہنچانے کے لئے شب و روز ایک کر دیئے، ٹھوس تعلیم کے ساتھ ساتھ تعمیری کام بھی جاری رہا، دارالقرآن، دارالحدیث اساتذہ کرام کی رہائش گاہیں، مہمان خانے اور ایک وسیع وعریض مسجد کی تعمیر واقعی قابل دید ہے۔ یہ تعمیرات فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور آپ کی ایک عظیم یادگار اور عظیم کانارمہ ہے۔انشاء اللہ اس کا فیض تا قیام قیامت جاری رہے گا، جس کے سبب رہتی دنیا تک آپ کو یاد رکھا جائے گا۔

حضرت مفتی صاحب واقعی ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے جن کی طبعیت میں خوش مزاجی تھی اور غرور نام کی کوئی چیز نہ تھی وہ ایک اجنبی سے بھی تھوڑی سی دیر میں گھل مل جاتے تھے ہمدردی اور ان کی شفقت مثالی تھی، چھوٹوں کی ہر قدم حوصلہ افزائی فرمانا آپ کا وطیرہ تھا۔آپ بلند حوصلہ والے مہمان نواز کردار کے غازی تھے، اور اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے تھے ملت کی فلاح کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ سماجی خدمات بھی انجام دیتے رہے، آپ کی تمام خدمات قابل قدر و قابل ستائش ہیں جن کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ حضرت کی ان خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اس عظیم یادگار کے ذمہ داروں کو اخلاص وللّٰہیت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور ملت کے ہر فرد کو اس کی قدر اور

استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور یہ ایک ولی کامل ہی کی نشانی ہے کہ اپنے آخر وقت میں ورثاء کو وصیت کرنے کے بعد قبلہ رُو ہو کر علی الصبح عین فجر کی اذاں کے وقت ذکر کرتے ہوئے اس دارِ فانی بلکہ میں یوں کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ اس بے وفا دنیا سے پردہ فرما گئے اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ میں راقم الحروف حضرت کا جس وقت سیول ہاسپٹل احمد آباد میں کڈنی کا آپریشن ہوا تو آپ کی عیادت کی غرض سے 17 مارچ 2020ء احمد آباد پہنچا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے فرزند ارجمند مولانا عبیداللہ صاحب تمام خدمات کو ترک کر کے حضرت کی خدمت کے لئے وہاں موجود تھے۔ طویل گفتگو کے بعد جب میں آپ سے رخصت کی اجازت لینے لگا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مجھ سے بھی رہا نہ گیا میری بھی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے۔ اُس وقت کے اس منظر کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آخر دُعائیں دیتے ہوئے بندہ کو رخصت فرمایا مجھے اسی وقت خدشہ ہو گیا تھا' آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ واپسی میں میں حضرت قاری اسمٰعیل بسم اللہ بانی و مہتمم جامعہ القرأت کفلیتہ سے ملاقات کے بعد مالیگاؤں مفتی محمد اسمٰعیل صاحب ایم ایل اے کل ہند مجلس اتحاد المسلمین سے ملاقات کر کے جب 22/ مارچ 2020ء کو واپس حیدرآباد پہنچا تو ملک میں ٹرین خدمات بند ہونے کا اعلان ہو گیا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا جس کا بے حد افسوس رہے گا یہ ملاقات حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری سے میری آخری ملاقات تھی بہر حال یہ ملت اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ ہے جس کو پُر کرنا آسان نہیں۔ ہر اہلِ علم و دینی جذبہ رکھنے والے کو ہمیشہ اس کا احساس رہے گا۔ اللہ رب العزت سے دُعا ہے کہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کے فرزندان اور جمیع وارثین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین

محی الدین وارث ۔مسقط،عمان

غزل

تری کچھ آج رنگت سانولی معلوم ہوتی ہے
کوئی تو آہ سینے میں دبی معلوم ہوتی ہے

نہ جانے آج یہ نکلا ہے سورج کس تمازت سے
جدھر بھی دیکھتا ہوں تیرگی معلوم ہوتی ہے

میں ایسے شہر کو شہرِ محبت کہہ نہیں سکتا
جہاں خطرے میں ہر پل زندگی معلوم ہوتی ہے

کبھی مجبوریاں اوروں پہ وہ ظاہر نہیں کرتا
جسے ذلت سے بہتر مفلسی معلوم ہوتی ہے

نگہبانِ چمن کا ہے رویہ ظالمانہ کیا
چمن کی ہر کلی سہمی ہوئی معلوم ہوتی ہے

عجب ہے ڈھنگ وارث آج کل لوگوں کے جینے کا
بشر کہتے ہوئے شرمندگی معلوم ہوتی ہے

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری رویدروی بانی جامعہ مظہرِ سعادت ہانسوٹ بھروچ گجرات

خلیفۂ مجاز حضرت مولانا شیخ یونس جونپوری شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور یوپی وخلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی ہتھورا باندہ یوپی الہند کے

سانحۂ ارتحال پر ''اظہارِ غم''

تاریخ وفات: ۱۹رمحرم الحرام ۱۴۴۲ھ م ۸رستمبر ۲۰۲۰ء	ولی محمد زاہد ہریانوی Cell : 9000945368

عبداللہ شیخ آئے بھی آکر چلے گئے ❊ عاشق ہمیں نبیؐ کا بناکر چلے گئے
علم وہُنر کا دریا بہا کر چلے گئے ❊ دینِ نبیؐ کا باغ لگاکر چلے گئے
دیوار نفرتوں کی گِرا کر چلے گئے ❊ وہ بستیاں وفا کی بسا کرچلے گئے
وہ گرد آئینے سے ہٹاکر چلے گئے ❊ دُشمن کو بھی وہ اپنا بناکر چلے گئے
آئے تھے وہ بھی سَیر کو کچھ روز کے لئے ❊ فانی جہاں کی رَسم نبھاکر چلے گئے
واقف کیا ہے کُفر و ضلالت سے قوم کو ❊ توحید کا وہ گیت سُنا کر چلے گئے
کرتا ہے فخر آپ کے اُوپر رَویدرا ❊ مٹی کا اپنی قرض چُکا کر چلے گئے
صحرا کو بھی ہانسوٹ کے عبداللہ آپ ہی ❊ مرکز عُلومِ دیں کا بناکر چلے گئے
قائم کیا ہے جامعہ مظہر یہ آپ نے ❊ باغِ سعادت آپ لگاکر چلے گئے
گجرات کیا کہ سارے ہی ہندوستان میں ❊ پیغام مصطفیٰؐ کا سُناکر چلے گئے
کرنے کو عام دینِ نبوّت کو ہر طرف ❊ خونِ جگر بھی اپنا بہاکر چلے گئے
مصروف تھے وہ فکر میں عُقبیٰ کی اس قدر ❊ انوارِ مصطفیٰؐ میں نہاکر چلے گئے
ہانسوٹ سے بہایا وہ دریا عُلوم کا ❊ تشنہ لبی ہماری بُجھاکر چلے گئے
گُمراہیوں سے ہم کو بچایا ہے ہر قدم ❊ راہِ نجات ہم کو دکھا کر چلے گئے
احساں ہے ہم پہ بے بہا عبداللہ آپ کا ❊ سوئے ہوئے تھے ہم کو جگاکر چلے گئے
پھینکا گلے سے طوقِ غلامی نکال کر ❊ بندہ خدا کا ہم کو بناکر چلے گئے
تکلیف دی ہے آپ کو اپنوں نے ہی مگر ❊ سب رنجشوں کو آپ بُھلا کر چلے گئے
اُجڑی یہ زندگی بھی تو پَروا نہ کی کوئی ❊ عُقبیٰ کی زندگی تو بناکر چلے گئے
سارے عرب سے اور عجم سے مُرید بھی ❊ آئے تھے غم میں اشک بہاکر چلے گئے
کہتے ہیں غم میں ڈوب کے شاگرد آپ کے ❊ سارے عُلوم ہم کو پڑھا کر چلے گئے
زاہدؔ لحد میں اپنی وہ بے حد سکوں میں ہیں ❊ بے چینیاں ہماری بڑھاکر چلے گئے

گاندھی جینتی کے موقع پر اردو اکیڈمی کے ڈائرکٹر محمد غوث کے ہاتھوں ''گاندھی جی'' کتاب کا رسم اجراء

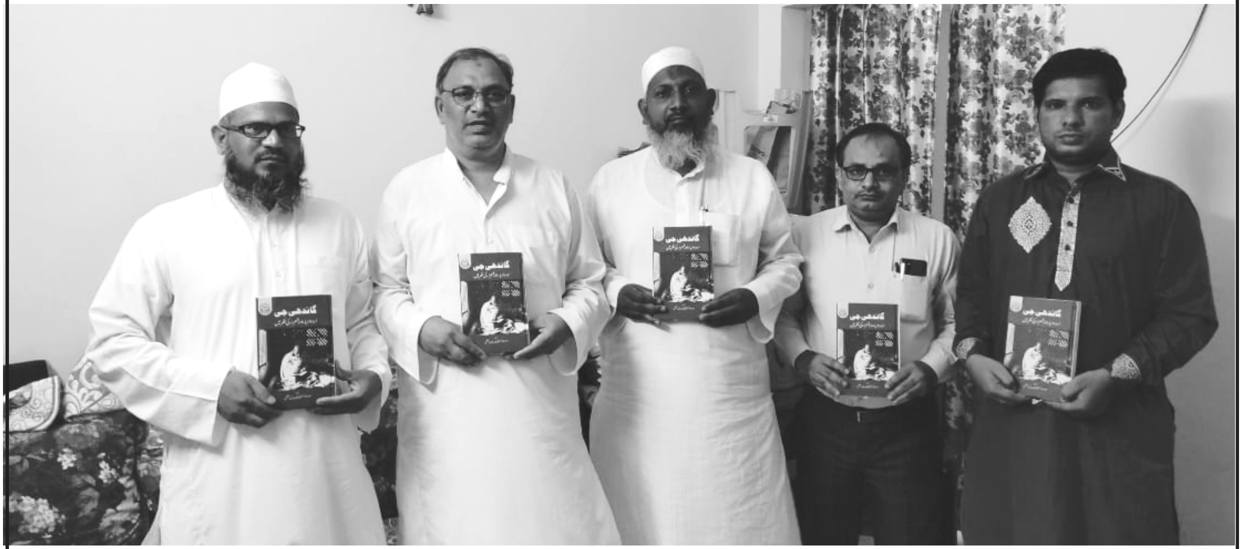

حیدرآباد: مہاتما گاندھی کے یوم پیدائش کے موقع پر شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے ڈاکٹر محمد غوث (ڈائرکٹر رسکریٹری تلنگانہ ریاستی اردو اکیڈمی) کے ہاتھوں کتاب ''گاندھی جی اردو ادباء اور شعراء کی نظر میں'' کا رسم اجراء عمل میں آیا۔ ڈاکٹر محمد غوث نے کہا کہ ساری دنیا میں ہندوستان کی پہچان اس کے سیکولرازم کی وجہ سے ہے۔ مہاتما گاندھی نے ایک مضبوط ہندوستان کی بنیاد رکھی، جس کی وجہ سے آج یہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ مل جل کر رہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جدوجہد آزادی میں حصہ لینے والے تمام مجاہدین نے بلالحاظ مذہب وملت اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ مہاتما گاندھی نے ہمیشہ سے عدم تشدد کے اصول کو اپنایا اور ہم کو بھی اسی اصول کو اپنانا چاہئے۔ ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی (چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ) نے کہا کہ کورونا کی وباء کی وجہ سے گاندھی جینتی کی تقریب کو مختصر پیمانے پر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور گاندھی جی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے مقصد سے آج اردو اکیڈمی کے ڈائرکٹر کے ہاتھوں اس کتاب کا رسم اجراء عمل میں لایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کتاب میں پچھلے سال گاندھی جی کی ۱۵۰/ویں سالگرہ کے موقع پر ٹرسٹ کی جانب سے منعقدہ پروگرام کے لیے لکھے گئے مقالات اور گاندھی جی سے متعلق دیگر تحریروں کو شامل کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اس سے نئی نسل کو واقف کرانا ضروری ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدوس نے کہا کہ یہ کتاب ایک اہم تصنیف ہے جس میں اردو طبقہ کو گاندھی جی کے بارے میں کئی اہم معلومات حاصل ہوں گی اور ریسرچ اسکالر کے لیے یہ کافی مددگار ثابت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ آج کے دور میں ہم کو مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھنا چاہئے اور ہندوستان کے سیکولرازم کے ڈھانچے کو متاثر ہونے نہیں دینا چاہئے۔ ڈاکٹر حمران احمد معروفی نے کہا کہ گاندھی جی پر موجودہ دور کے اردو کے متحرک اسکالرز سے شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ نے کافی اہم مقالات لکھائے ہیں۔ اس طرح کے کتابوں کی اردو دنیا میں شدید ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوجوان اسکالرز سے اپیل ہے کہ وہ ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور دوسروں کو بھی ادبی معلومات پہنچاتے رہیں۔ محسن خان نے کہا کہ پچھلے سال شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ نے تمام اسکالرز کو ایک جگہ جمع کرتے ہوئے شاندار پیمانے پر ایک پروگرام منعقد کیا تھا اور آج اس میں پڑھے گئے مقالہ جات اور دیگر تحریروں کو کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بہت کٹھن کام تھا لیکن اسے بہترین انداز میں انجام دیا گیا۔ محسن خان نے کہا کہ نئے لکھنے والوں کو اس طرح کے اقدامات سے حوصلہ افزائی ہوگی۔

(ڈاکٹرمسرت جہاں)	ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا،اس لئے مصنفین ،مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔(ادارہ)

ثنا غزل

ریسرچ اسکالرشعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

ڈاکٹر مسرت جہاں صاحبہ مادرانہ شفقت کی علمبردار، اعلیٰ دوست نواز،کم گو اور متین شخصیت کی مالک ہیں۔آپ کی پہلے ہی دو تصانیف ''قمر رئیس کی علمی وادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ'' اور ادبی نگارشات'' منظر عام پر آچکی ہیں۔اب ان کی کاوشوں کا تیسرا ثمرہ مطالعہ کے لیے تیار ہے۔جس کا عنوان ہے''عابد سہیل کے افسانوں میں عصری حسیت'' یہ کتاب مارچ 2019ء میں منظرعام پر آئی ہے۔مذکورہ بالا کتاب 320 صفحات پر مشتمل ہے اور ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے شائع کی گئی ہے۔مسرت جہاں بڑی محنتی ہیں، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کا مائنر ریسرچ پروجکٹ بعنوان''اردو تحقیق کا آغاز وارتقا: ایک تجزیاتی مطالعہ'' کے نام سے مکمل کرچکی ہیں۔زیرنظر کتاب بھی ان کے ایک تحقیقی پروجکٹ کا ہی ثمرہ ہے۔یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

اس کتاب میں پیش لفظ سے قبل اردو ادب کے دو بزرگ شخصیات کے مضامین شامل ہیں۔پہلا مضمون''عابد سہیل خاموشی سے اپنی بات کہہ دینے والا فنکار'' [پروفیسر شارب ردولوی] اس مضمون میں انھوں نے عابد سہیل کے عہد کے حالات۔ان کے افسانوں کا تذکرہ اور ان کے موضوعات کا بیان بڑی خوبصورتی کے ساتھ اختصار سے کیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ انھوں مکمل کتاب سرسری جائزہ بھی پیش کیا ہے اور آخر میں صاحب مصنف ڈاکٹر مسرت جہاں کے لیے کو ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''مسرت جہاں نے بڑی احتیاط سے عصری حسیت کو بنانے والے اثرات،مذہب، مسلک،تہذیبی اقدار، سیاسی اور تہذیبی صورت حال،انقلاب،تحریکیں اور اقدار کے زوال کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مسرت جہاں نے آخر میں عابد سہیل کے بہت عمدہ 10 افسانوں کا انتخاب شامل کردیا ہے جن کی حیثیت ان مباحث کی روشنی میں مثال کی ہے۔ اس سے ان کے موضوعات کے justification میں آسانی ہوگی۔''(ص10)

دوسرا مضمون پروفیسر عتیق اللہ کا''افسانوی فن کے تقاضے اور عابد سہیل'' کے عنوان سے ہے۔انھوں نے مصنفہ کے اسلوب بیان اور فن پر روشنی ڈالی ہے۔وہ رقم طراز ہیں:

> انھوں نے عابد مرحوم کے تقریباً تمام اہم افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کی عصری حسیت کی معنی خیزی پر خصوصی توجہ دی ہے۔۔۔مسرت جہاں کے تجربوں میں بھی ضبط کی کیفیت ہے۔انھوں نے ہر سطح پر اختصار واجمال کو ترجیح دی ہے اور اپنے قاریوں کو کچھ تشنگی کا سامان بھی مہیا کیا ہے۔کوئی بھی تنقید پوری طرح سیراب نہیں کرتی ہے،اسے بہت کچھ دوسروں کو سوچنے کے لیے بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔مسرت صاحبہ

نے بنیادی نکتوں کو جس خوبی سے حوالہ بنایا ہے اور انھیں کو مرکوز نظر رکھ کر جس طور پر عابد مرحوم کے افسانوں کی قدر شناسی کی ہے۔ وہ ہمیں عابد سہیل کے افسانوں کے از سر نو جائزہ لینے کی تحریک بخشی ہے۔" (ص14)

پیش لفظ میں ڈاکٹر مسرت جہاں نے مکمل کتاب کا احاطہ کیا ہے۔ لہٰذا پیش لفظ کو اگر کتاب کی روح کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ انھوں نے عابد سہیل کی شخصیت، ادبی اور پیشوارانہ زندگی کو مختصر طور پر پیش کیا ہے، ساتھ ہی اس عہد کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات پر بھی عمدہ گفتگو کی گئی ہے اور یہی عابد سہیل کے افسانوں کا خاصہ بھی ہے۔ وہ عابد سہیل کے افسانوں سے عصری حسیت کی اہمیت کو صاف طور پر واضح کرتی ہیں اور اپنی تحقیق سے مدلل شواہد پیش کیے ہیں۔ مصنفہ لکھتی ہیں کہ عابد سہیل نے اپنے افسانوں میں "اپنی زندگی کے تجربات مشاہدات اور قلبی واردات کو افسانے کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ اسی لیے ان کی کہانیوں میں عصری حسیت کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔" عابد سہیل نے اپنے افسانوں میں مذہب و مسلک، انسانی بے حسی، نفس پرستی، غریب کا فکری زاویہ، انسانی رشتوں کی پامالی، تہذیبی اقدار کی تنزلی و زوال پزیری، طبقاتی کشمکش اور بے جوڑ شادی سے پیدا ہونے والے مسائل جیسے عنونات کا احاطہ کیا ہے۔ مصنفہ لکھتی ہیں کہ اس قسم کے تمام مسائل آج ایک خطرناک شکل اختیار کر چکے ہیں۔ عہد حاضر کے ان مسائل پر اپنی رائے کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"مختلف ذاتوں کے آپسی نفرتوں کا مسئلہ سنگین رخ اختیار کر چکا ہے۔ اور ان سب میں سنگین مسئلہ یہ ہے کہ نفرتوں کے اس زہر کو سیاسی گروہوں کی طرف سے مزید پھیلایا جا رہا ہے، حالاکہ ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ ملک وقوم میں ایجاد ویگانگت کا ماحول قائم کریں۔ سیاسی منافرت کبھی فرقہ وارانہ فساد کی شکل میں ابھرتی ہے تو کہیں ذات پات کے تنازعات کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ان سیاسی چالوں کا معاشرے پر کافی برا اثر ہوا۔ یہ سیاسی چال کسی کو دہشت گرد ثابت کرتی ہے تو کسی بے قصور کو گرفتار کر کے مہینوں اور برسوں جیل میں مقید کر دیتی ہے۔ عوام میں خوف و ہراس کا ماحول ہے۔ لوگ اپنی شناخت کی وجہ سے بھی نشانہ بنائے جا رہے ہیں۔ یہ سبھی ایسے موضوعات ہیں جن پر ہمارے افسانہ نگاروں نے بھی خوب لکھا ہے۔ عابد سہیل بھی اُن افسانہ نگاروں میں سے ایک ہے۔ ان کے یہاں بھی موضوعات جا بجا ملتے ہیں اس لیے کہ یہ اس دور کا ایک اہم مسئلہ ہے اور یہی عصری حسیت ہے۔" (ص20-19)

زیر نظر کتاب کو مصنف نے کل چار حصوں اور ہر حصہ کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) سوانح اور شخصیت، (۲) علمی و ادبی خدمات، (۳) عصری حسیت اور اردو افسانہ، (۴) عابد سہیل کے افسانوں میں عصری حسیت، (۵) عابد سہیل کے افسانوں کا انتخاب، آخر میں کتابیات پیش کی گئی ہے۔

پہلے حصہ میں عابد سہیل کی زندگی اور شخصیت کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق مصنفہ لکھتی ہیں کہ عابد سہیل کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں انھوں نے افسانے، خاکے، خودنوشت، تنقیدی مضامین وغیرہ لکھ کر اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

دوسرے حصہ کو چھ زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔ بحیثیت افسانہ نگار، بحیثیت خاکہ نگار، بحیثیت صحافی، بحیثیت خودنوشت سوانح نگار، بحیثیت نقاد اور بحیثیت مترجم۔ اسی باب میں مصنف کی جملہ تصانیف کا بھی ذکر کیا

گیا ہے۔ ساتھ ہی ان کی ادبی خدمات کا مفصل جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنفہ نے اپنے کثیر المطالعہ کے ذریعہ عابد سہیل کی وجیہ شخصیت کے ہر ممکن پہلو پر روشنی ڈالینے کی کوشش کی ہے اور انتہائی سلیقے اور ہنرمندی کے ساتھ اسے ترتیب دیا ہے۔ عابد سہیل کے ادبی وصحافتی خدمات کا بڑی خوبصورتی سے جائزہ لیا گیا ہے، ان کی صحافتی زندگی کن کن آزمائش ومسائل سے دوچار ہوئی ان کا بخوبی ذکر کیا ہے ساتھ ہی ان کی صحافتی حیثیت کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کی تصانیف اور افسانوں کے نمونے اقتباسات کے ذریعہ پیش کئے گئے ہیں تاکہ قاری کو عابد سہیل کے افسانوں کو سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ اس حصے کا ایک ذیلی عنوان عابد سہیل ''بحثیت افسانہ نگار'' ہے جس میں عابد سہیل کے افسانوں کی شائع شدہ تعداد 44 بتائی گئی ہے۔ ان کے تینوں افسانوی مجموعے ''سب سے چھوٹا غم''، ''جینے والے'' اور ''غلام گردش'' کے ذکر میں ان کتابوں کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔ تاکہ قاری کو آسانی رہے۔ اس کے علاوہ خاکوں کا مجموعہ ''کھلی کتاب''، ''پورے آدھے ادھورے'' اور خودنوشت ''جو یاد رہا'' تنقید'' فکشن کی تنقید''، ''افسانیات'' وغیرہ کی فہرست کو بھی اسی حصہ میں شامل کیا گیا ہے۔

تیسرے حصہ میں مصنف نے 'عصری حسیت اور اردو افسانہ'' کے عنوان سے افسانوں میں عصری حسیت کی ایک مکمل تاریخ، ابتدا سے موجودہ زمانے تک جو کہ افسانوں میں پایا جاتا ہے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ مصنفہ مانتی ہیں کہ 'عصری حسیت کے بغیر ادب کا وجود بے معنی ہے'' ص ۸۳۔

وہ افسانے کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ عصری حسیت کو ہی مانتی ہیں۔ عصری مسائل کو پیش کرنا ادیب کی ذمہ داری اور فریضہ ہے وہ اس چیز سے آنکھیں نہیں چرا سکتا حقیقت کا بیان کرنا ضروری ہے۔ وہ عصری حسیت کے معنی اس طرح بیان کرتی ہیں:

> ''ادیب یا شاعر اپنے دور کے مسائل سے، اپنے عہد کی بے چارگی سے، اپنے زمانہ کے غم سے، دکھ سے، درد سے اور لاچاری سے بیگانہ ہو۔ اپنے دور کے مسائل سے آشنائی اور ان کا ادب میں ذکر ہی دراصل عصری حسیت ہے۔ جو ادیب یا شعراء اپنے فن میں عصری حسیت کو برتتے ہیں ان ہی کی عصری معنویت ہوتی ہے'' (ص83)

> ''ایک فنکار اپنے دور کی تکالیف، صعوبتوں، مسائل، پریشانیوں اور تکلیف و رنج قریب سے گہرا مشاہدہ کرتا ہے اور وہ مسائل اس کی ذات کو متاثر کرتے ہیں لہٰذا جب وہ اپنا کوئی فن پارہ پیش کرتا ہے تو اس میں عصر حاضر کی تکالیف کا اظہار پنہا ہوتا ہے اور یہی عصری حسیت ہے۔'' (ص84)

چوتھا حصہ جس کا عنوان ''عابد کے افسانوں میں عصری حسیت''، ہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔ جس کو افسانے کے موضوعات کے لحاظ سے چار زمروں بانٹا گیا ہے۔ فسادات اور مذہب ومسلک، انسانی بے حسی اور تہذیبی اقدار کا زوال، نسوانی کرداروں کی نفسیات، خواب ان چار عنوانات کے تحت عابد سہیل کے افسانوں کا تفصیلی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ عابد سہیل کے کتابی شکل میں شامل ہونے والے افسانوں کی تعداد 44 ہے۔ ان میں سے تقریباً 20 افسانوں کی نشان دہی کر کے عصری حسیت کے تحت مسرت صاحبہ نے تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان افسانوں کے نام یہ ہیں: افسادات اور مذہب ومسلک میں شرطیں، سوا نیزے پر سورج، روح سے لپٹی ہوئی آگ ،۲انسانی بے حسی اور تہذیبی اقدار کا زوال میں جینے والے ،شست تعلق ،رگ سنگ ، ایک بے نام کہانی، میں اور میں، چھوٹے لوگ، منیر کی اماں، غلام گردش، رشتے، تیسرا خط ،۳نسوانی کرداروں کی نفسیات میں وہ ایک لمحہ،

نوحہ گر، پیاسے، دوسرا آدمی، ہم خواب میں نہ دھوپ ن سایہ، میرا تیرا اس کا غم، یہ واقعہ ہے یا کوئی منظر ہے خواب کا۔ کچھ افسانوں کے تجزیہ میں بڑے افسانہ نگاروں کے افسانے سے مقابلہ بھی کرتی نظر آتی ہے۔

عابد سہیل کی جن کتابوں کا ذکر ڈاکٹر مسرت صاحبہ نے زیر نظر کتاب میں نہیں کیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

احمد جمال پاشا (انتخاب مضامین) اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1988

عبدالعلیم (مونوگراف) ساہتیہ اکادمی 2008

عبدالعلیم کے منتخب تحریریں، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا 2008

رحمٰن رنگ (عابد پیشاوری کے دوہے) مرتب عابد سہیل، ایجوکیشنل بک ہاؤس 2009

کلیات عبدالعلیم (جلد دوم)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی 2012

کتاب کے آخری حصہ میں عابد سہیل کے دس پسندیدہ افسانوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ کتابیات میں عابد سہیل سے متعلق ثانوی و بنیادی ماخذ کے ساتھ رسائل و جرائد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ میں امید کرتی ہو کہ ادبی حلقے میں ان کی یہ تحقیقی کاوش پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ بلاشبہ یہ کتاب اردو ادب کے ذخیرے میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colon
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم (اقامتی وغیر اقامتی ادارہ)

شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Ac No: 1327104000065876 Bank Name: IDBI
Ac N: SHIBLI INTERNATIONAL ADUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFS: IBkL0001327. Branch: Charminar Hyderabad (T.S)

بانی وناظم: مولانا ڈاکٹر مفتی محمد محامد ہلال اعظمی۔ موبائل: 9392533661